

محبت اک سلسلہ تشنگی (ناول)



کنول نوید

آج یونیورسٹی کا آخری دن تھا۔ وہ بڑے اہتمام سے تیار ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ سین کو شادی کے لیے پرپوز کرے گا۔ اس نے اس کے لیے ایک چھلا بھی لے لیا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ سین کو کیا پسند ہے کیا نہیں۔ وہ اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خواہش سے آگاہ تھا۔ وہ اپنی ہر بات اس سے باٹتی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ اسے امی کی آواز سنائی دی شارب آکر ناشتہ کر لو بیٹا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ شارب نے پھر شیشے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ پھر اپنی پیٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس چھلے کی ڈبی کو ٹٹولا جو اس نے سین کے لیے لیا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ کمرے سے باہر ناشتہ کے لیے ٹیبل پر آیا ہی تھا کہ امی نے فوراً اسے اس کی تعریف کی۔

اللہ میرے بیٹے کو نظر بد سے بچائے۔ شارب نے امی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ امی آپ بھی ناشتہ کریں ناپا پلے گئے۔ نازیہ اور عارف۔ وہ اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر تھر موس سے چائے ڈالنے لگا۔ امی نے بیٹھتے ہوئے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔ شارب بیٹا آج تم کافی لیٹ ہو گئے۔ عارف اور نازیہ تو کب کے نکل چکے۔ آج تمہارا آخری دن ہے نا۔ شارب نے پراٹھا توڑتے ہوئے امی کی طرف دیکھا۔ جی جی۔ امی۔ اس نے امی کی طرف دیکھے بغیر ہی جواب دے دیا۔ غزالہ حسن کا وہ سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جس سے انہیں بہت امیدیں تھیں۔ اس نے انہیں کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ غزالہ حسن نے شارب سے بات کرنا چاہی ہی تھی کہ وہ ناشتہ کی ٹیبل سے اُٹھ گیا۔

اچھا امی میں اب چلتا ہوں۔ شارب کے کہنے پر غزالہ حسن بھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ شارب بیٹا چھتری لے جاو۔ یہ نہ ہو بارش ہو جائے۔ تمہارے پاپا گاڑی چھوڑ گئے ہیں تمہارے لیے تم نے کہا تھا انہیں۔ شارب امی کی بات سن کر خوشی سے بولا امی چابی کہاں ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ سین جیسے ہی ہاں کہے گی۔ وہ اسے اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھلانے کے لیے لے کر جائے گا۔ اس لیے اس نے پاپا سے گاڑی مانگی تھی۔ حسن صاحب بہت شفیق باپ تھے۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنے تینوں بچوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔

وہ یونیورسٹی کے لیے گاڑی لے کر نکلا ہی تھا کہ ہلکی ہلکی پھوہار سے موسم خوشگوار ہو گیا۔ وہ دھیرے دھیرے غزل گنگنانے لگا۔

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے

شعر پڑھنے لگے گنگنائے لگے۔

پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی

اب جب دیکھئے مسکرانے لگے

ہم کو ملنے ملانے کا کب شوق تھا

ہم کو محفل آرائی کا کب ذوق تھا

آپ کی خاطر ہم نے یہ بھی کیا

ملنے لگے آنے جانے لگے۔ آپ سے مل کر ہم

سنگل پر گاڑی رک چکی تھی اور وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ لمحے صدیوں سے طویل محسوس ہو رہے تھے۔ کبھی وہ گھڑی دیکھتا اور کبھی گاڑیوں کا قطار۔ اسے اپنے جسم کے ہر حصے سے لہریں پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

اگرچہ وہ روز ہی سین سے ملتا رہا تھا۔ مگر آج اسے اس سے مانگنے کا مرحلہ شراب کو انتہائی مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ہاں ہی کہے گئی لیکن پھر بھی، اس کے دل کی دھڑکن اسے تھمتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، سین کا چہرہ کیسا ہو گا جب وہ اسے شادی کی آفر کرے گا۔ وہ خوش ہو گی یا شرمائے گی۔ ایک کالا سا بچہ گاڑی کا شیشہ بجانے لگا۔ شراب اکثر سنگل پر بھکاریوں کو پیسے دیتا تھا۔ آج بھی اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے پرس نکالا ہی تھا کہ سنگل سرخ ہو گیا۔ اس نے اس بچے کی آنکھوں میں مایوسی اترتی ہوئی محسوس کی۔ کچھ لمحے اس کے دل و دماغ میں اس کی تصویر چھائی رہی۔

وہ یونیورسٹی پہنچا، ابھی سین نہیں آئی تھی۔ وہ روز ہی اس کا انتظار کرتا تھا۔ مگر آج ہر لمحہ اسے صدیوں کی مسافت پر محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی مکمل اظہار کے لیے لمحہ بھر کی نظروں کا مل جانا ہی کافی ہوتا ہے اور کبھی کبھی پوری زندگی بھی باتیں کر کے لوگ نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں اس لمحہ کو سوچنے لگا جب پہلی بار وہ سین سے ملا تھا۔

سین نے لائبریری کے دروازے پر۔ پیچھے سے شراب کو آواز دی تھی۔ ایک سیوزی پلیز۔ شراب نے اسے مڑ کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے دوبارہ سے ایک سیوزی کہا تھا تو وہ مسکرا کر بولا۔ جی۔ سین کی نظریں کتاب پر تھیں جو شراب کے ہاتھ میں تھی۔ شراب کی اس کے چہرے پر۔ کیسی پیاری سی بھولی سی صورت ہے اس لڑکی کی۔ شراب کے دل نے کہا تھا۔ کچھ چہرے آنکھوں سے سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ یہ سچائی اس کے دل نے سین کو دیکھتے ہی تسلیم کر لی تھی۔

شراب سے اس نے سوالیہ نگاہوں سے کہا۔ کیا آپ یہ کتاب مجھے دے سکتے ہیں۔ میں کل تک آپ کو واپس کر دوں گی۔ شراب نے سوچے سمجھے بغیر ہاں کر دی۔ اگرچہ کتاب کی ضرورت اسے بھی تھی۔ محبت کا جادو سرچڑھ کر بولتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ جو ان دل کسی ساتھی کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ جب انہیں ان کے معیار کا کوئی نظر آجائے تو وہ اسے محبت کا نام دے دیتے ہیں۔ شراب کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ان میں دوستی کب اور محبت کب ہوئی اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ محبت بھی زہر کی طرح رگوں میں اندر تک اتر جاتی ہے۔ سوچنے سمجھنے غور کرنے یا بچاؤ کا موقع بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے۔ شراب ان خوش قسمت لوگوں میں نہیں تھا۔ جنہیں سنہلنے کے لیے وقت مل جائے۔ وہ تو یونیورسٹی میں داخل ہوتا تو اس کی نظریں سین کو تلاش کرنا شروع کرتیں۔ جب تک وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کے لیے چلی نہ جاتی وہ یونیورسٹی سے کبھی نہیں نکلتا تھا۔

سین کو یونیورسٹی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر اس کی سوچوں کا دھارا ٹوٹ چکا تھا۔ جیسے کسی نے پھولے ہوئے غبارے کو پن ماری ہو اور اس کی ساری ہوا جلدی جلدی سے نکل جائے۔ شراب کے دماغ سے سوچیں بھی اسی طرح نکل چکی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بھرتا ہوا یونیورسٹی کے دروازے تک پہنچتا کہ روز کی طرح سین کو یونیورسٹی کے دروازے سے لے آئے۔ سین نے کچھ فاصلے پر شراب کو دیکھا۔ مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ شراب اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔

سین نے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے آئی فون پر آنے والے میسج کو ایک نظر دیکھا۔ شراب اپنے دل میں ان الفاظ کو دہرانے کی کوشش کر رہا تھا جو وہ سین سے بولنے والا تھا۔ اس سے بے نیاز کہ سین اسے کیا کہنے والی تھی۔ اس کا مل یقین تھا کہ سین خوش ہوگی۔ محبت ہونے کے بعد محبوب کی آنکھوں میں عاشق کو پیارا ایسے دیکھائی دیتا ہے جیسے سمندر میں پانی۔ لیکن کچھ لوگوں کی محبت صحرا کے مسافر کی سی ہوتی ہے جہاں سراب کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ شراب نے اپنی پیٹ کی جیب کو پھر سے ٹٹولا اور ڈبی کو مٹھی میں کس کے پکڑ لیا۔ سین نے شراب کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے چشمہ کو سر سے اُتار کر آنکھوں پر لگا لیا۔ لگتا ہے آج خوب بارش ہوگی شراب، تمہارا کیا خیال ہے۔ شراب جو کسی اور ہی کام میں مصروف تھا۔ چونک گیا۔ ہوں کیا۔ سین نے مسکرا کر اس سے کہا۔ کیا کیا؟ تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا۔ نہیں شراب نے افسوس نے سین کی طرف دیکھا۔ تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ سین نے عنابیہ کو آتے دیکھا۔ شراب نے عنابیہ کو دیکھا تو بیزاری سے کہا وہ عنابیہ بھی آگئی۔ سین نے شراب کی بیزاری کو بھانپتے ہوئے کہا۔ تمہیں عنابیہ اچھی نہیں لگتی۔ شراب نے شکر کیا کہ اسے اظہار کا موقع ملا۔ اتنے لمبے عرصہ میں وہ کبھی سین سے اپنی محبت کا کھل کے اظہار نہ کر سکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سین کو اس کی حرکتوں سے اندازہ ہوگا کہ وہ اس سے کتنا پیار کرتا ہے۔ وہ سین کی ہر بات فوراً سے مان لیتا۔ شراب نے عنابیہ کو اتنا دیکھ کر فوراً سے کہا۔ بات عنابیہ کی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم میرے ساتھ ہو تو ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو۔ سین نے مسکرا کر کہا تم کیا کہہ رہے ہو۔ شراب کی ہمت بڑھی۔ اس نے پھر جو سوچا تھا سب بولنے لگا۔ سین میں تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں جب سے تمہیں پہلی بار میں نے دیکھا۔ میں جانتا ہوں کہ میں تمہارے لیے سب کچھ کر لوں گا۔

ہماری شادی بہت۔۔۔ سین نے اس کی بات کاٹ دی۔ شادی اور ہماری۔ شراب میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ مجھے تو کبھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔

شراب کو اپنی محبت کا محل ریت کا بنا ہوا محسوس ہوا۔ شراب نے سین کی طرف دیکھا اور لجاجت سے کہا۔ ایسا تو نہیں کہو سین۔ تم مذاق کر رہی ہو۔ بولونا۔ سین نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں اپنا بہت اچھا دوست سمجھتی ہوں۔ لیکن شادی۔ شراب کو اپنے کانوں پر یقین انہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے انگوٹھی نکالی۔ اسے دھیرے سے کھولتے ہوئے سین کو دیکھانے لگا۔ سین اگر تم مجھ سے محبت نہیں بھی کرتی تو پھر بھی میں تو تم سے محبت کرتا ہوں۔ اپنی جان سے بھی زیادہ۔ تم کسی نہ کسی کو تو چنو گی نا اپنے لیے۔ تو مجھے کیوں نہیں۔ میں تمہاری امیدوں پر پورا اترنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں کچھ بھی۔

سین نے الجھتے ہوئے شراب کو دیکھا اور اپنی چھتری کو کھول لیا۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ عنابیہ ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔ سین نے عنابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہاری امتحان کے لیے تیاری کیسی ہے۔ آج آخری دن ہے یونیورسٹی کا۔ ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے سب۔ اس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے شراب کی طرف دیکھا، جیسے شراب کو سمجھانا چاہ رہی ہو کہ وہ کسی غلط فہمی کے زیر اثر نہ رہے۔

شراب کے ہاتھ میں چھلا دیکھ کر عنابیہ نے دل لگی کرتے ہوئے پوچھا۔ شراب کہیں آپ سین کو پرپوز تو نہیں کرنے والے۔ شراب خاموش رہا لیکن سین نے بیزاری سے کہا۔ ہاں اس نے پرپوز کر دیا اور میں نے انکار بھی کر دیا۔ بات ختم۔ کبھی کبھی جہاں ہم بات ختم سمجھتے ہیں وہ بات کی شروعات

ہوتی ہے۔ عنابیہ نے شارب کی آنکھوں میں اتر آنے والی ویرانی کو دیکھ کر کہا۔ سین نے دھیرے سے اپنی وے کہا۔ شارب وہاں کا وہاں ہی کھڑا رہ گیا۔ وہ دونوں اپنی اپنی چھتری کے ساتھ اس کے آگے سے گزر گئیں۔

شارب چلتا ہوا یونیورسٹی کے گاڑڈن میں گھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر آنسو اور بارش کا پانی مسلسل بہہ رہے تھے۔ اسے اپنا دل بھگینا ہوا محسوس ہوا۔ برسات کا موسم تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک بھیگ چکا تھا۔ مگر اس کے وجود میں تشنگی کا احساس اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ پانی اس کے بالوں سے گزرتا ہوا، اس کے چہرے کو یوں دھو رہا تھا جیسے وہ شاور کے نیچے گھڑا ہو۔ وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگائے گھڑا تھا۔ اسے وقت رکا ہوا محسوس ہوا۔ عجیب خالی پن۔ دنیا وہی تھی پر جاتے ہوئے سین اس کی خوبصورتی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس نے خود سے سوال کیا۔ کیا یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ مجھے اسی طرح سے چاہتی ہے۔ جس طرح میں اسے چاہتا ہوں؟ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی کہ اسے کبھی میری محبت کا احساس نہیں ہوا۔ وہ کس آسانی سے انکار کر کے چلی گئی اس اظہار کو جسے اس تک پہنچانے کے لیے نہ میں چین سے سو پار ہا تھا نہ جاگ پار ہا تھا۔ اسے خود اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے چہرے پر آنسو زیادہ گر رہے ہیں یا بارش کی بوندیں۔

دور سے لڑکوں کے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھی۔ کوئی لڑکا لہک لہک کر ایک غزل پڑھ رہا تھا۔

اب کہ ہم بچھڑے تو شاہد کبھی خوابوں میں ملیں۔۔۔۔۔

جیسے ٹوٹے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں۔ کچھ لڑکے کہہ رہے تھے ٹوٹے ہوئے نہیں تھا۔ یار بکھرے ہوئے تھا۔ جبکہ پڑھنے والا ماننے کو تیار نہیں تھا۔

نازیہ بار بار توقیر کے نئے آنے والے ایس ایم ایس کو پڑھ رہی تھی۔ اس نے جو شعر بھیجا تھا۔ بار بار اس کی نظروں کو چھو کر گزر رہا تھا۔

عجیب سے احساسات کا مجموعہ ہی تو ہے ہمد۔

کیسے دل سے تیری ملاقات کا پھر تذکرہ ہوگا۔

جب کوئی خوشبو چھوئے گی وجود کو میرے۔

روح سے میری تیرے عشق کا تبصرہ ہوگا۔

نازیہ مسکرا رہی تھی کہ غزالہ کمرے میں آئیں۔ امی کو اتنا دیکھ کر اس نے موبائل کو فوراً سے بند کیا۔ غزالہ نے مسکرا کے نازیہ کو کالج یونیفارم تبدیل کرنے کا کہا۔ وہ فوراً سے اٹھ گئی۔ غزالہ حسن بہت دوستانہ رویے سے اپنے بچوں کو پال رہی تھی۔ اس کے باوجود نازیہ اپنی باتیں اپنی ماں سے کم ہی شیئر کرتی تھی۔ اس کی وجہ اس کی فطرت تھی۔ وہ اس معاملے میں اپنے پاپا سے ملتی تھی جو کم گو تھے۔

غزالہ کمرے سے چلی گئی تو نازیہ اپنا یونیفارم تبدیل کرنے کے بعد پھر سے ایس ایم ایس دیکھنے لگی۔

یہ جو میرے وجود پر تیری ذات کا اثر رہتا ہے۔

میں بھی نہیں جانتا ہوں میرا دل کدھر رہتا ہے۔

مجھے اپنے وجود میں رہنے دے در بدر نہ کر۔

یہ مسافر توقف تیرے ہی گھر میں رہتا ہے۔

نازیہ توقیر کی شاعری، اس کی باتیں۔ یہاں تک کہ اس کی ہر چیز کو پسند کرتی تھی۔ وہ اس کی دوست کا بھائی تھا۔ جس سے اس کی دوستی کالج میں فسٹ ایر میں ہوئی تھی۔ پورا سال ہو چکا تھا۔ اب اس کے ایف کے پیپر ہونے والے تھے۔ توقیر ایم اے کا سٹوڈینٹ تھا۔ توقیر کی تصویر دیکھ کر ہی نازیہ اس پر فدا ہو گئی تھی۔ فوزیہ ہمیشہ اپنی باتوں سے اپنے بھائی کا ایسا نقشہ کھینچتی تھی کہ توقیر اس کے دل میں اترتا ہی گیا۔ جب وہ پہلی بار اس سے ملی تو اس کی نظروں سے ہی توقیر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس قدر اسے پسند کرتی ہے۔ وہ اکثر فوزیہ سے ملنے اس کے گھر آتی جاتی رہتی تھی۔ توقیر نے دوسری ہی ملاقات میں اس سے محبت کا اظہار کیا تو اس نے بھی رضامندی دے دی۔ فوزیہ کو توقیر اور نازیہ کی محبت کا علم تھا۔ توقیر کی فیملی بہت ماڈرن تھی۔

نازیہ کا موبائل جو اسے حسن نے فسٹ آنے پر لے کر دیا تھا وہ توقیر کے ایس ایم ایس سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اکثر اس کی باتیں اور اشعار کو فارغ وقت میں پڑھتی رہتی۔ اس کے لیب ٹاپ میں ایک فولڈر جس کا نام اس نے احساس محبت رکھا تھا۔ وہ توقیر کے ایس ایم ایس اور تصاویر سے بھرا ہوا تھا۔ یہ حسن کا پرانا لیب ٹاپ تھا۔ جو کچھ خرابی کے باعث انہوں نے نازیہ کو دے دیا تھا۔ عارف اور شارب کے لیے ان کے تایاں لیب ٹاپ دیے تھے جبکہ نازیہ کو نہیں دیا تھا۔ اس لیے جب اس نے بہت ضد کی تو حسن نے اسے یہ لیب ٹاپ دیا تھا۔ جسے وہ بہت پسند کرتی تھی۔ نازیہ کی چیزوں کو کوئی اس کی مرضی کے بغیر ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا۔ اس لیے اس کو کوئی ڈر نہیں تھا کہ توقیر کی کسی بھی چیز کو کوئی دیکھ پائے گا۔

شارب جب گھر لوٹا تو اسے دیکھ کر غزالہ پریشان ہو گئی۔ اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ کیا ہوا شارب انہوں نے اس کے پاس آتے ہوئے کہا۔ تم چھتری کیوں نہیں لے کر گئے۔ بارش سے بچ جاتے نہ۔ اس نے مایوسی سے کہا۔ کچھ چیزوں سے انسان کسی صورت نہیں بچ سکتا امی۔ وہ قسمت میں لکھ دی جاتی ہیں۔ وہ ہمیں ہر حال میں ملتی ہیں۔ پھر چاہے ہم دامن کو کتنا ہی جھاڑتے رہیں وہ وجود سے چٹ جاتی ہیں۔ وہ کھو یا کھو یا ساچا بی کو ٹیبل پر رکھ کر اندر چلا گیا۔

غزالہ حسن حیران تھیں، شارب کبھی اسی طرح بات نہیں کرتا تھا۔ انہوں نے شارب کو کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اسے کچھ دیر تہہ پہنے دیا۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ جب وہ کچھ دیر بعد کمرے میں گئی تو وہ اپنے بیڈ پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ غزالہ حسن اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ شارب بیٹا کچھ کھاو گئے۔ انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔

نہیں۔ اس نے فوراً ہی کہہ دیا۔ غزالہ حسن نے آہستہ سے کہا۔ کچھ ہوا ہے کیا۔ سین سے بات کی تم نے؟

شارب نے اپنا سر اپنی امی کی گود میں رکھ لیا۔ امی اس نے منع کر دیا۔ شارب نے روتے ہوئے کہا۔ غزالہ نے حیرت سے کہا۔ تم نے اس سے پوچھا نہیں کیوں۔ میرا مطلب ہے، کیا وہ کسی اور سے شارب کو اپنے اندر ایک آگ جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کسی اور سے اس نے اپنی امی کے الفاظ کو دہرایا۔ اس نے خود سے ہی تردید کر دی۔ اگرچہ اسے خود اپنے جواب پر یقین نہیں تھا۔ شارب کی امی نے اسے تسلی دی۔ بیٹا تم دل چھوٹا نہ کرو۔ ممکن ہے کہ اس نے محبت کے بارے میں یا شادی کے بارے میں سوچا ہی نہ ہو۔ گیلی لکڑی بھی دیر تک کوشش کرنے پر جل جاتی ہے۔ یہ تو لڑکی ہے۔ ضرور مان جائے گی۔ شارب نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ امی کیا آپ کو یقین ہے۔ اس کی ماں نے اعتماد سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تقدیر اور تدبیر مل کر آپ کی خواہش کو پورا کرنے میں کارگر ہوتی ہیں۔

غزالہ حسن نے جب شارب کی نظروں میں مایوسی دیکھی تو انہیں اپنا ماضی یاد آگیا۔ ان کے موجودہ شوہر اور ان کے درمیان رشتہ کس قدر مشکل سے جڑا تھا۔ غزالہ راجپوت گھرانے سے تھیں۔ ان کے خاندان میں تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ جب غزالہ میٹرک میں تھیں تو حسن اپنے چچا کے گھر نوکری کے سلسلے میں رُکے۔ انہوں نے غزالہ کو دیکھا تو انہیں وہ اچھی لگ گئی۔ حسن کا خاندان مہاجر کہلاتا تھا۔ غزالہ نے اپنی امی سے معصومیت سے پوچھا تھا۔ امی یہ مہاجر کیا ہوتے ہیں۔ ابوان لوگوں سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں۔

جس سوال کا جواب غزالہ کی ماں کو خود معلوم نہیں تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو اس کا جواب کہاں سے دیتی۔ انہوں نے محض سوال کا جواب دینے کے لیے کہہ دیا۔ یہ لوگ پان کھاتے اور جگہ جگہ پچکاری کرتے پھرتے ہیں نا، اس لیے۔ غزالہ نے پھر معصومیت سے کہا۔ اگر ان میں سے کوئی پان کھا کر پچکاری نہ کرنے والا ہو۔ ابو کے سارے بھائی سگریٹ پیتے ہیں۔ ابو نہیں پیتے نا۔ اسی طرح۔ ان مہاجروں میں سے اگر کوئی پان نہ کھاتا ہو تو کیا ابو اسے اچھا سمجھیں گئے۔ غزالہ کی امی نے مسکرا کر کہا۔ پتہ نہیں یہ تم اپنے ابو سے ہی پوچھو۔

حسن نے جب سکول کے دروازے پر غزالہ کو روک کر اپنا پہلا محبت نامہ دیا تو غزالہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چھت سے تو کہیں بار حسن غزالہ کو گلاب پھینک کر اور کبھی اشاروں سے اظہار محبت کرتا رہا تھا۔ لیکن جب اس طرح آمنے سامنے حسن نے اپنا محبت نامہ پیش کیا تو غزالہ ڈر گئی۔ وہ وہاں سے جلدی جلدی گھر آگئی۔ شام کو حسن نے پھر اس خط کو لہراتے ہوئے اپنے کزن وکی سے ذور ذور سے کہا۔ تم کر کیا رہے ہو وکی۔ ادھر دیکھو۔ میری طرف۔ میں پتنگ کے ساتھ باندھ رہا ہوں۔ سنا۔ میں پتنگ کے ساتھ باندھ رہا ہوں۔

غزالہ کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اسد جو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ جو قدر اور جسامت میں اس سے بڑا محسوس ہوتا تھا۔ چھت پر کب آچکا تھا۔ حسن کو دیکھتے ہوئے، اسے محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔ اس کے بھائی بھی اس کے ابو کی طرح ان مہاجر لڑکوں کو بُرا ہی سمجھتے تھے۔ بُرا سمجھتے کیوں تھے یہ غزالہ کی سمجھ سے باہر تھا۔

غزالہ کو نازیہ کی آواز سنائی دی۔ امی آپ کہاں ہیں۔ امی۔ امی۔

غزالہ نے ایک نظر شارب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ انہیں اپنے دل میں درد اُترتا ہوا محسوس ہوا۔ اولاد کی محبت دینا میں ہر محبت سے مقدم ہوتی ہے۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے اور اپنے اڈھیڑ عمر کے بیٹے دونوں ہی کے درد کو برابر محسوس کرتی ہے۔ شارب کا چہرہ درد و غم کا مجموعہ لگ رہا تھا۔

حسن آفس سے واپس آچکے تھے۔ غزالہ نے انہیں چائے اور پاپے دیے۔ حسن معمول کی طرح خاموش تھے۔ غزالہ نے حسن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے مایوسی سے کہا۔ آپ نے گھر کا کچھ کیا۔ مالک مکان نے خالی کرنے کا جو وقت دیا ہے وہ ختم ہو رہا ہے۔ حسن نے ماتھے پر بل لاتے ہوئے کہا۔ اچھا۔

وہ شارب نے چابی دے دی تھی۔ میں نے آپ کی الماری میں رکھ دی ہے۔ حسن نے نظریں گھماتے ہوئے کہا۔ شارب کی پارٹی اچھی رہی؟ غزالہ نے دھیرے سے جی کہا اور خاموش ہو گئی۔

حسن نے سنجیدگی سے غزالہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ تم اسے کہنا کہ پڑھائی پر دھیان دے۔ اس کے امتحان ہو جائیں پھر اس کی نوکری کے لیے کچھ کروں گا۔ اس قدر مہنگائی میں اکیلے اب سب کچھ نہیں سنبھالا جاتا مجھ سے۔ غزالہ نے اپنی ذات پر ایک نظر ڈالی اور پھر دھیرے سے جی کہا۔ حسن کے خاندان میں تمام عورتیں اپنے شوہروں کی طرح نوکریاں کر رہی تھیں، غزالہ کے خاندان میں عورتوں کا نوکری کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ ایسے آدمی جو اپنی بیوی کو نوکری کرواتے تھے انہیں بے غیرت جیسے القاب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ غزالہ کی شادی بھی کچھ اس طرح سے ہوئی تھی کہ اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی۔ ایسے حالات میں وہ اپنے شوہر کی کسی بھی قسم کی مالی امداد کرنے سے معذور تھی۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد غزالہ نے خالی چائے کا کب اور پلٹ اٹھائی اور کمرے سے باہر آگئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ نازیہ ریڈیو سن رہی تھی۔ جس میں ڈی جے نے شعر پڑھا:

بہت بے آباد کرتی ہے محبت دل میں آباد ہو کر۔

بہت تکلیف دیتے ہیں وہ جو دل میں بستے ہیں۔

غزالہ کمرے سے باہر آچکی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کاش کہ حسن نے اس سے شادی نہ کی ہوتی تو حسن کو اس قدر پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ حسن کے ساتھ اس نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے ماں باپ ابھی تک اس سے ناراض تھے۔ انہوں نے اس کا نکاح تو کروا دیا تھا لیکن وہ ابھی تک اسے اپنی باتوں اور عمل سے جتانے کہ اس نے راجپوت گھرانے کی عزت کو مٹی میں ملا دیا۔ ایک مہاجران میں بیٹھنے کے لائق نہیں جبکہ دوسری طرف حسن کے خاندان میں اس کو وہ عزت نہیں ملی تھی جو اس کا حق ہوتی۔ اگر وہ شادی سے پہلے ہی حسن کے ساتھ اس کے گھر نہ آئی ہوتی تو شاہد یہ سب کچھ اس کا مقدر نہ ہوتا۔ دونوں خاندانوں نے مجبوراً اور مصلحتاً حسن اور غزالہ کا نکاح تو کروا دیا تھا لیکن دونوں ہی اس رشتے سے خوش نہ تھے۔ غزالہ، حسن کے خاندان والوں میں اسی طرح تھی جیسے بد بکوتروں کے غول میں سب سے جدا لگتی ہے۔ جبکہ بکوتر کا لے بھی ہوں تو مسئلہ اور بھی سنگین ہوتا ہے۔ غزالہ کے دو بچے بھی اسی کی طرح تھے جبکہ عارف اپنے پاپا پر جانے کی وجہ سے اپنے خاندان والوں کی طرح ہی لگتا تھا۔

غزالہ کے تینوں بچوں کو بھی ان کی اس محبت بھری کہانی کا علم تھا۔ یہ علم غزالہ کا نہیں بلکہ دادی اور نانی کا فراہم کر رہا تھا۔ جوان کی محبت کے قصے کو بہت بُرے طریقے سے بچوں کے سامنے پیش کرتی رہی تھی۔ اس کے باوجود تینوں بچوں کے دلوں میں محبت کرنے کا جذبہ جانے کہاں سے راسخ ہو چکا تھا۔ شاہدان کے گھر میں پرامن ماحول۔ ماں باپ کا ایک دوسرے کی بات فوراً مان جانا اس کی وجہ تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی

غزالہ اور حسن کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا مگر شراب کی پیدائش کے بعد دونوں کا اپنے کیے پر ثابت قدم رہنا لازمی تھا۔ غزالہ حسن کی ہر بات اسی لیے خاموشی سے مان لیتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے میکے میں اس کے بچوں کو کوئی اس طرح سے پیار نہیں کرتا۔ جس طرح اس کی بہن کے بچوں کو کیا جاتا ہے۔ جو راجپوت خاندان میں ہی شادی کر کے گئی ہے۔ غزالہ کے ابو تو اس کے بچوں کو اپنے پاس تک نہیں بیٹھاتے تھے۔

غزالہ سوچ رہی تھی کہ محبت کے بعد محبوب شوہر بن جاتا ہے۔ وہ کبھی بھی عاشق نہیں رہتا۔ بے وقوف لڑکی سمجھتی ہے کہ محبت کا سلسلہ ہی تمام عمر چلتا رہے گا۔ لیکن ہر سلسلہ اسی لیے ہوتا ہے کہ اس کا اختتام ہو جائے۔ محبت کا اختتام شادی ہے۔ وہ یہ بات اپنے بچوں پر ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے ہی وہ ان محبتوں سے محروم تھے جو ماں، باپ کے خاندانوں کی طرف سے بچوں کو ملتی ہیں۔ لہذا وہ اپنی محبت کا بھرم رکھے ہوئے تھی۔

شراب دیر تک کمرے میں لیٹا رہا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی زندگی جیسے رک گئی تھی۔ اس کے جینے کا مقصد جیسے فوت ہو چکا تھا۔ محبت دل پر ایسے غالب آ جاتی ہے جیسے کوئی جابر حکمران پوری کی پوری سلطنت پر قابو پالیتا ہے۔

غزالہ بہت پریشان تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنے جوان بیٹے کو محبت کی بے اثباتی کا کیسے یقین دلانے۔ اسے کیسے بتانے کہ محبت جذبات کے الجھاؤ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ کرنے والے کو تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ اس میں پانا بھی پانا نہیں ہوتا۔ انسان اپنی ذات میں تنہا تھا تنہا ہے اور تنہا ہی رہے گا۔ کوئی محبت، کسی بھی قسم کی محبت اسے مکمل نہیں کرتی۔ یہ تکمیل کی خواہش انسان کو محبت کے جال میں پھنسا دیتی ہے۔ اسے الجھا دیتی ہے کہ کسی کا وجود اسے مکمل کر سکتا ہے۔ کسی کی آنکھیں اس کی آنکھوں کا سہارا بن سکتی ہیں۔ یہ ایسا فریب ہے، کہ انسان اس دلدل میں اُترتا ہی چلا جاتا ہے۔ غزالہ نے اپنی ڈائری اٹھائی اور بہتے ہوئے اشکوں میں لکھا۔

تجھے کیسے سمجھاؤں میرے بیٹے کہ محبت کیا ہے تو جس کی خاطر ہلکان ہوا جا رہا ہے۔ اگر وہ تجھے مل جائے تو تیری یہ بے چینی کسی نئی بے چینی کا پیش خیمہ ہوگی۔ انسان کبھی بھی کسی دوسرے انسان سے کچھ نہیں پاسکتا۔ محبت تو دونوں ہاتھوں سے لٹانے کا نام ہے۔ اپنا آپ دے دینے کا نام ہے۔ ہم جسے لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ محبوب پہلو میں آجائے۔ جبکہ محبوب کی باہوں میں بھی محبت کی تشنگی نہیں جاتی۔ جیون کے سراب میں محبت ایک حسین سراب ہے۔ یہ سراب کوئی ہمیں نہیں دیتا بلکہ ہم خود ہی خود کو دیتے ہیں تاکہ وقتی لطف محسوس کر سکیں۔ یہ وقتی لطف ہمارے جیون کو ابدی چھن سے روشناس کرتا ہے۔ ایسے جیسے کوئی پیسا پانی پیتا جائے اور اس کی پیاس بڑھتی جائے۔ کاش کہ میرے بیٹے تم اس درد سے دور ہی رہتے۔ مگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے حق میں کچھ بھی کرنے سے قاصر ہے۔ سارے انسان مل کر بھی ایک انسان کی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ ایک ماں کیا کر سکتی ہے۔ ایک ماں کر ہی کیا سکتی ہے۔

غزالہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوا تھا۔ اس نے اپنی ڈائری بند کی اور سوچنے لگی کہ وہ شراب کو کیا کہے۔ ایک ناکام عاشق کو محبت کی بے اثباتی سمجھانا ناممکن ہے۔ اسے یہ سمجھانا ناممکن ہے کہ عاشق ہونے کے بعد کامیاب ہونے کا امکان باقی ہی نہیں رہتا۔ وہ آج وہاں ہی کھڑی تھی جہاں چوبیس سال پہلے اس کی ماں تھی۔ اس کی ماں نے اسے کتنا سمجھایا تھا۔

غزالہ یہ محبت کچھ نہیں ہوتی۔ بس چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش ہے میری بچی۔ تم اپنے ابو کو تو جانتی ہی ہو۔ وہ کسی صورت ایک مہاجر کو تمہارا رشتہ نہیں دیں گئے۔ میں تمہیں یہ نہیں کہتی کہ تم حسن سے پیار نہ کرو۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ تم کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا جس پر تمہیں تمام عمر ندامت رہے۔ غزالہ حسن کو اپنی آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آنکھوں کو بند کئے ماضی کے اس منظر کو دیکھ رہی تھی، جب اس کی ماں اس سے اپنی ممتا کی بھیک مانگ رہی تھی۔

غزالہ تم سن رہی ہونا۔ غزالہ نے اپنی امی کا بڑھتا ہوا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے بڑے یقین سے کہا تھا۔ ندامت کا احساس کیوں ہو گا امی۔ تمام انسان برابر ہیں، حسن مہاجر ہے اور میں راجپوت کیا فرق پڑتا ہے۔ ابو کو فرق پڑتا ہے، مجھے نہیں۔ اس کی کیا گارنٹی ہے کہ کوئی راجپوت مجھے خوش رکھے گا جبکہ میں حسن کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔

غزالہ کی امی رونے لگیں۔ غزالہ تمہارے لیے حسن سب کچھ ہے اور ہم کچھ نہیں۔ تمہارے ابو کس قدر محبت کرتے ہیں تم سے اور میں۔ ہم کچھ نہیں۔ ہماری محبت، تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ بس حسن ہی سب کچھ ہے۔

غزالہ نے چیخ کر کہا۔ آپ مجھ سے اپنی محبت کی قیمت مانگ رہی ہیں امی۔ میں حسن کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ کو کیا میری خوشی کا احساس نہیں۔ غزالہ کی امی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور افسردگی سے کہا۔ یہ محبت نہیں ہے غزالہ یہ جوانی کا دور ہے، جوانی میں انسان کی عقل پر دوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ پردے دھیرے دھیرے شعور کے آنے سے ہٹنے لگتے ہیں۔ تم یہ باتیں سمجھو گی۔ ابھی نہیں سمجھو گی لیکن جب سمجھو گی میری بچی تو بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

غزالہ نے اپنی ماں کی ناراضگی کو نظر انداز کر دیا۔ اس کی جنت مایوس و محروم ہو کر اس کے وجود کو چھوڑ گئی تھی۔ غزالہ کو کچھ گرنے کی آواز آئی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے افسوس سے اپنے آنسو صاف کیے۔ محبت کیسے طوفان کی صورت اس کے تمام رشتوں کو اس سے دور کر گئی تھی۔ اپنے ماں، باپ، بہن بھائی اسے پرائے محسوس ہونے لگے تھے۔ بس ایک حسن ہی اس کو اپنی دنیا لگتا تھا۔ اس نے افسردگی سے حسن کی کچھ باتوں کو یاد کیا جو اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہی تھیں۔

تم جانتی ہو غزالہ سب سے پہلا رشتہ جو رب نے بنایا وہ ایک آدمی اور عورت کا تھا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر کہیں چین نہیں تھا۔ ماں، باپ، بہن بھائی سب اہم ہوتے ہیں لیکن کوئی ایک انسان دنیا میں ایسا ہوتا ہے۔ جو آپ کو مکمل کر دیتا ہے۔ جو آپ کے لیے سکون کا سامان ہوتا ہے اور آپ اس کے لیے۔ اس کے ساتھ اپنا سب کچھ بانٹے ہو۔ سب کچھ۔ غزالہ نے اپنی آواز کو ماضی کے جھرکوں سے اپنے کانوں میں اترتا محسوس کیا۔ اسے اپنے کان توڑے کی طرح تپتے ہوئے محسوس ہوئے۔

کس قدر دھوکا دیتے ہیں یہ میٹھے میٹھے الفاظ۔ انسان کو لگتا ہے کہ وہ دنیا میں جنت بنانے جا رہا ہے جہاں وہ چین سے رہے گا۔ وہ بھول جاتا ہے کہ دنیا جنت نہیں آزمائش کی جگہ ہے۔ نفس کو پرکھنے کے لیے رب نے دنیا میں بھیجا تھا۔ ہم انسانوں نے دنیا سے اور پھر انسانوں سے دل لگا لیا۔ غزالہ نے خود سے کہا۔ اس نے اپنے دل میں اٹھتا ہوا درد کم کرنے کے لیے منہ دھو کر کچھ کام کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ہمیشہ یوں ہی کرتی تھی۔ اس کے پاس درد بانٹنے کے لیے ماں کا کندھا، باپ کا شفقت بھرا ہاتھ نہیں تھا۔

توقیر بھائی آپ تو نازیہ سے پیار کرتے ہیں نا۔ آپ نے ماما کو کہا کیوں نہیں۔ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ توقیر نے فوزیہ کو سنجیدگی سے دیکھا۔ پھر آرام سے بولا۔ پیار اور شادی کا آپس میں کیا واسطہ۔ شادی کا مطلب تم نہیں سمجھ سکتی۔ ابھی تم بچی ہو۔ تم جانتی ہو کہ نازیہ سنی ہے اور ہم شیعہ۔ شادی کہاں ممکن ہے۔ کوئی بھی نہیں مانے گا۔ فوزیہ نے افسردگی سے کہا۔ بھائی آپ کو پھر نازیہ سے محبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ توقیر نے ہنس کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ دیکھو فوزیہ زیادہ ایمو شنل ہونے اور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ محبت وبت کچھ نہیں ہوتی۔ وہ ٹائم پاس کرتی ہے۔ میں ٹائم پاس کرتا ہوں۔ اس عمر میں کوئی ٹائم پاس تو چاہیے نا۔

فوزیہ منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔ اسے نازیہ بہت پسند تھی وہ سمجھتی تھی کہ توقیر اسی سے شادی کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ توقیر دل و جان سے نازیہ کو چاہتا ہے۔ ارم کے رشتہ کو توقیر نے بنا سوچے اپنی ماں کے کہنے پر فوراً سے ہاں کہہ دی تھی۔ ارم یو۔ کے میں اس کے ماموں ضیا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ نہ صرف خوبصورت تھی بلکہ توقیر کی ہم عمر اور بہت امیر لڑکی تھی۔ اس کی نازیہ کے ساتھ محبت برف کی طرح پگھل گئی جب اس امی نے ارم اور ماموں ضیا کے آنے کا تذکرہ کیا۔ توقیر کو بتایا کہ اس کے ماموں شادی کے سلسلے میں یہاں پاکستان آرہے ہیں۔ ارم اور تمہاری شادی۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ توقیر نے جھٹ سے کہہ دیا۔ امی خیال کیسا۔ ارم سے اچھی لڑکی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

فوزیہ جب دوسرے دن کالج گئی تو اس کا جی چاہا کہ وہ نازیہ کو اپنے بھائی کے ارادوں سے باخبر کر دے۔ اسے شدت سے افسوس ہو رہا تھا۔ نازیہ توقیر کے معاملے میں کس قدر حساس تھی وہ جانتی تھی۔ اچانک سے ایس ایم ایس آیا۔ ان کا فری پیریڈ تھا۔ نازیہ کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر فوزیہ کو حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ کیا توقیر کا ایس ایم ایس ہے۔ نازیہ نے مسکرا کر کہا تو اور کس کا ہو سکتا ہے؟ تمہارا بھائی بھی نا۔ فوزیہ نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔ کیا لکھا ہے۔

نازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لکھا ہے۔

زندگی کی خوبصورتی سمٹ جاتی ہے آنکھوں میں میری۔

جب بھی تیرے وجود کو اپنے تخیل میں مکمل دیکھوں۔

تصور کر ہی نہیں سکتا میں کہ توجدا ہے مجھ سے نازی۔

اپنی ذات میں تجھے اس طرح سے شامل دیکھوں۔

فوزیہ کو غصہ آیا اور اس نے نازیہ کو افسردگی سے کہا۔ تم اس محبت کا کیا انجام سوچتی ہو جو تم میں اور میرے بھائی میں ہے۔ نازیہ ہنسنے لگی۔ فوزیہ نے اپنی بات دہرائی اور غصے سے کہا۔ اپنے دل سے توقیر کو نکال دو نازیہ۔ جتنی جلدی تم ایسا کرو گی تمہارے لیے اچھا ہو گا۔ نازیہ نے فوزیہ کے لہجے کو محسوس کیا وہ کوئی مذاق نہیں کر رہی تھی۔ نازیہ نے فوزیہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کیا بات ہے، تمہیں کیا ہوا۔ فوزیہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے ارم کے رشتے اور توقیر سے اس کے ساتھ ہونے والی ساری بات جیت دہرا دی۔ نازیہ رونے لگی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں توقیر کے لیے صرف ٹائم

پاس تھی۔ ٹائم پاس۔ مطلب۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رہی تھی۔ وہ تو اسے اپنا سب کچھ سوئپ چکی تھی۔ اس کے لیے توقیر سب کچھ تھا۔ اس نے فوراً توقیر کو فون کیا۔ فوزیہ نے فوراً کال کاٹ دی۔ اس نے نازیہ کو اپنی دوستی کا واسطہ دیا۔ نازیہ نے پھر فون کیا۔

محبت کسی بھی دوسرے رشتے کو ایسے ہی مٹا دیتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ انسان اندھا ہو جاتا ہے پھر اسے محبوب کے سوا کچھ دیکھائی نہیں دیتا نازیہ نے چیختے ہوئے فوزیہ سے کہا۔

فوزیہ کو اس سے اسی رویے کی امید تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش وہ اپنے بھائی سے متعلق کوئی بات کبھی بھی نازیہ سے نہ کرتی۔ توقیر نے فون رسیو کر لیا تھا۔ اس نے نازیہ کی آواز سنتے ہی پیار سے کہا۔۔ بولو جان۔ آج تو کالج کی بھی پروا نہیں کی تم نے لگتا ہے۔ مجھ سے ملنے کا بہت دل کر رہا ہے۔ کہاں ملیں۔

نازیہ نے اپنے آنسو صاف کیے اور دھیرے سے کہا۔ تمہارے گھر۔ توقیر نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ تمہارے گھر۔ تمہارے گھر والے کہیں گئے ہوئے ہیں۔ نازیہ کے لہجے میں تلخی آگئی۔ اس نے غصے سے کہا۔ میں نے میرے گھر نہیں کہا۔ میں نے کہا ہے تمہارے گھر۔ مجھے اپنی امی سے متعارف کرواؤ۔ میرا خیال ہے اب ہمارے گھر والوں کو پتہ چل جانا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

توقیر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نازیہ سے کہا۔ شادی تو میں نہیں کر سکتا۔ نازیہ نے غصے سے کہا تو پھر یہ سب کیا ہے جو تم اتنے عرصے سے میرے ساتھ کر رہے ہو۔ توقیر نے سنجیدگی سے کہا۔ میں نے کبھی کچھ بھی تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کیا۔ میں نے کبھی تم سے نہیں کہا کہ میں تم سے شادی کروں گا۔ پھر بھی تم مجھے الزام دو تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔

نازیہ کو اپنا وجود ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ جس کی خاطر اس نے اپنا وجود تک لٹا دیا تھا۔ اس کو اپنانے سے انکار کر رہا تھا۔ وہ دن رات جس کے خواب دیکھتی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے میں اس کے خواب ریزہ ریزہ کر دیئے۔

توقیر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ اس کی آواز بھی اس کے دل کی طرح بیٹھ چکی تھی۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، مجھے یقین نہیں آ رہا۔ وہ روتی جاتی اور کہتی جاتی۔

شارب، وہ نہیں کہہ کہہ کر تنگ آچکی تھی۔ آج شارب نے دوبارہ فون کیا تو سینین نے فون اٹھایا مگر ایک ایسی خبر سنائی کہ شارب کو اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ سینین نے شارب کو بتایا کہ وہ اپنے کزن کریم الحق سے دو دن بعد نکاح کرنے والی ہے شارب کو خبر دینے کے بعد اس نے غصے سے فون رکھ دیا۔ شارب کریم کو جانتا تھا۔ سینین کی ساگرہ کی تصاویر میں اس نے کریم کو دیکھا تھا۔ حسد اور رقابت سے مرغوب شارب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سینین کا قتل کرنے امتحان کو پس پشت ڈالا ہوا تھا۔ وہ اپنی محبت کا غم کھا رہا تھا۔ دوسری طرف سینین نے اس کا فون لینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ فون کرتے ہی بار بار اپنی وہی باتیں دہراتا دے یا پھر کریم کا۔ یا پھر اسے خود کشی کر لینی چاہیے، جس کی خاطر وہ جی رہا تھا وہ تو کسی اور کی ہونے جا رہی ہے۔

شارب اپنے کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی۔ ایسی زندگی کا کیا فائدہ جس میں وہ نہیں۔ وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا، کہ پنکھے سے لٹک کر جان دے دے۔ موت کا اس طرح سے تصور اسے بھیانک لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مردہ کی صورت میں پنکھے کے ساتھ لٹکتا ہوا محسوس کیا تو اسے خود کشی کا یہ طریقہ پسند نہ آیا۔

اس نے سین کے لیے ایس ایم ایس لکھنا شروع کیا۔

سین جب تم یہ پڑھ رہی ہو گی تو میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں، کاش تم سمجھ سکتی۔ تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھوں اس سے اچھا ہے کہ میں مر جاؤں۔ تمہارا اور صرف تمہارا۔ شارب

ایس ایم ایس بھیجنے کے بعد جیسا شارب نے سوچا تھا۔ بارہ ڈسپرین کی گولیاں اس نے پانی کے ساتھ نگل لیں۔ گولیاں لینے کے بعد اسے اپنی ماں کی یاد آئی۔ موت کے خوف سے اسے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بولنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز حلق ہی میں سسکیوں کی وجہ سے دب گئی، محبت کا جو جنون اس کے سر پر سوار تھا، جاتا رہا۔ اسے اپنے بدن میں کچکی محسوس ہو رہی تھی۔

عارف اپنے کمرے میں بیٹھافیس بک پر اپنے ایک دوست کی پوسٹ دیکھ رہا تھا۔ جو ایک تصویر تھی جس پر شاعری کی گئی تھی۔ جس میں ایک لڑکا گھٹنوں پر بیٹھ کر ایک لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جبکہ لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔ عارف نے کمیٹ پاس کیا۔ واہ کیا شاعری ہے۔ گریٹ وہ پوسٹ کو اونچی آواز میں پڑھنے لگا۔

میں جو دن کو بھی کہوں رات وہ اتر کر آئے

مجھ کو حسرت ہے کوئی یوں بھی مجھے پیار کرے

میری خاطر وہ سہ دنیا کے طعنے دھکے

نگنے پیروں وہ صحراؤں کے کانٹے چکھے

مجھ کو پانے کے لیے جون کے روزے رکھے

میں ہوں دیوانہ وہ دیوانوں کا سا اظہار کرے۔۔۔ ابھی وہ پڑھ ہی رہا تھا کہ فون پر بیل بجی۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شارب اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو کہا۔ عجیب سوں سوں ہے۔ کیا ہوا بھائی؟

شارب اپنی ماں کو پکارنا چاہ رہا تھا۔ عجیب تلخی اس کے بدن پر غالب آچکی تھی۔ آنسوؤں نے اس کے چہرے کو بھگوڑا لاواہ بستر پر ہی اپنے آپ کو جھکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے بڑی مشکل سے عارب کی نمبر ڈائل کیا تھا۔ جس کا کافی دیر ہونے کے بعد بھی اسے کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ وہ موت کو اپنے وجود پر قابو پاتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ جو اس نے خود چنی تھی اور اب وہ اسی سے نالاں تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ روتے ہوئے اللہ سے معافی مانگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی زبان اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

عارف باہر کمرے سے آیا۔ اس نے اپنی امی سے پوچھا۔ ماما شراب بھائی کہاں ہیں، مجھے کچھ دیر پہلے کال کی اور بات بھی نہیں کی۔ غزالہ نے عارف کو بتایا۔ شراب تو کمرے میں ہی ہے۔ پوچھ لو شاید بھائی کو کوئی کام ہو تم سے۔ کچھ دنوں میں اس کے امتحان ہیں نا تو اس لیے کمرے میں ہی رہتا ہے۔ عارف شراب کے کمرے میں آیا تو ڈور سے چیخا۔ ماما جلدی اندر آئیں۔

غزالہ حسن بے چینی کے عالم میں فوراً شراب کے کمرے میں بھاگتی ہوئی آئیں۔ شراب پیٹا کیا ہوا؟ ایسا کیا ہو گیا۔ بتاؤ نا۔ وہ ان کے استفسار سے بے خبر تھا۔ غزالہ نے روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ میرا بچہ۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ غزالہ حسن افسردگی سے چلائی او میرے اللہ، یہ تم نے کیا کیا؟ شراب۔ میرا بیٹا شراب وہ دھاڑیں مارا کر رہی تھیں۔ اس کے منہ کو اپنے دوپٹے سے صاف کر رہی۔ عارف نے ایسبولیس کے لیے فون کیا اور پاپا کو اطلاع کی۔

غزالہ اور عارف ہو سپتھل پہنچ چکے تھے۔ شراب کو سٹر پیجر پر ڈال کر فوراً سی یو میں لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے غزالہ حسن کو تسلی دی اور حسن کے لیے دعا کرنے کا مشورہ دیا۔ عارف حیران تھا، شراب نے یہ کیا اور کیوں کیا۔

نازیہ کالج سے آچکی تھی۔ عارف نے اسے شراب کے ہو سپتھل میں ہونے سے متعلق بتا دیا تھا۔ اُسے سین اور شراب کے متعلق غزالہ کے ذریعے سب پتہ تھا۔ وہ ہو سپتھل پہنچ چکی تھی۔ اس کی ماں اسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ نازی، شراب کو دیکھ۔ اس نے کیا کیا؟ حسن ہو سپتھل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے غزالہ کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔ یہ سب کیا ہے۔ غزالہ وہ شراب نے خود کشی کی کوشش کی۔ حسن نے حیرت سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ کیوں۔ عارف نے شراب کا موبائل حسن کو دیکھاتے ہوئے کہا۔ پاپا یہ آخری ایس ایم ایس شراب بھائی نے سین نام کی کسی لڑکی کو کیا ہے۔ حسن نے ایک نظر ایس ایم ایس کو دیکھا۔ اس نے تلخ لہجے میں غزالہ سے کہا۔ تم کہاں تھی۔ کیا تم جانتی تھی سین کے بارے میں۔ غزالہ نے مذید رونا شروع کر دیا۔ حسن غصے اور پریشانی سے آئی سی یو کے دروازے کے پاس جا کر کھڑکی سے شراب کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

نازیہ نے اپنی ماں سے گلے لگتے ہوئے سوچا۔ مجھ میں اور میرے بھائی میں کوئی فرق نہیں ماما۔ میں نے اپنے جسم کا استحصال کیا اور میرے بھائی نے اپنی روح کا۔ ہم دونوں کو ہی محبت کے نام پر بے وقوف بنایا گیا ہے۔ اسے اپنی آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پہلے ہی بہت رو چکی تھی لیکن آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ اس کے فون پر بیل بجی،

اگر تم مل جاؤ زمانہ چھوڑ دیں گئے ہم

یہ اس کا پسندیدہ گانا تھا جو اسے اعصاب کو توڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سین کا جی چاہ کہ وہ موبائل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اس نے فقط فون کا فون کاٹا اور فون کو پاور ڈاؤن کر دیا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے، اللہ سے شراب کے حق میں دعا مانگی جو زندگی اور موت سے لڑ رہا تھا۔ سین سوچ رہی تھی کہ کبھی کبھی ہم فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کرتے ہیں۔ شراب نے خود کشی کرتے ہوئے ماما اور پاپا کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔ اور میں نے۔ اس کی آنکھوں سے جو نمکین آنسو گر رہے تھے اس کی کڑواہٹ وہ اپنے پورے وجود میں محسوس کر رہی تھی۔

سین نے کتاب کے کور کو غور سے دیکھا اس نے کتاب کو کھول کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ غالباً پہلی بار اسے کھول رہی تھی۔
 کور پر بڑا سا آویزاں تھا چاند اور میں۔ احمد فراز کی کتاب۔ وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کھول کر بیچ بیچ سے پڑھنے لگی۔ ایک صفحہ پر اسے لکھا نظر آیا کہ مر
 گیا ہے۔ تو اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے وہ گزر جانے والا صفحہ پھر سے ڈھونڈا اور غزل کو شروع سے پڑھنے لگی۔
 غزل اپنے عنوان کے ساتھ اس کی آنکھوں سے دل میں اتر رہی تھی۔

سچ کا زہر

تجھے خبر بھی نہیں

کہ تیری اداس ادھوری

محبوتوں کی کہانیاں

جو بڑی کشادہ دلی سے

ہنس ہنس کے سن رہا تھا

وہ شخص تیری صداقتوں پر فریفتہ

با وفا ثابت قدم

کہ جس کی جبین پہ

ظالم رقابتوں کی جلن سے

کوئی شکن نہ آئی

وہ ضبط کی کر بناک شدت سے

نموش، چپ چاپ

مر گیا ہے۔

پڑھنے کے بعد وہ پھر سے رونے لگی۔ میں نے یہ تو ایس کبھی نہیں چاہا تھا۔ اللہ اسے کچھ نہ کرے۔

کافی دیر ہو چکی تھی۔ نازیہ اور حسن گھر میں تھے۔ نازیہ نے نماز پڑھی اور اپنے بھائی کے لیے اللہ سے دعا کرنے لگی۔ وہ کبھی باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھتی تھی۔ اس کے کانوں میں امی کی آواز کانوں سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پیٹا دلوں کا سکون تو اللہ کی یاد میں ہی ہے۔ یہ گلے والے روح کی غذا نہیں ہوتے۔

نازیہ نے قرآن مجید کھولا اور تلاوت کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس نے کافی دنوں کے بعد قرآن کھولا تھا۔ یہ اس کا قرآن تھا، جسے اس کی دوسری چیزوں کی طرح کسی کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے لحاف پر گرد پڑی تھی۔ اس نے لحاف کو اتارہ تو مٹی اس کے ہاتھوں کو لگ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں میں بڑھ گئے، اسے پھر امی کی بات یاد آئی۔ نازیہ نماز اور قرآن نہیں چھوڑتے بیٹا، جب انسان اللہ کی عبادت چھوڑ دیتا ہے اور وہ مومن ہوتا ہے تو رب اس پر غم مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ آئے۔ اس نے اپنے آپ سے روتے ہوئے کہا۔ ہاں اسی لیے مجھ پر غم مسلط کیا گیا ہے۔ میں تو قیر سے تو گھنٹوں باتیں کرتی رہی لیکن اپنے رب کو فراموش کر دیا۔ اس نے اپنا چہرہ اپنے دوپٹے سے صاف کیا۔ وہ سورت فاتحہ کی تلاوت کر رہی تھی۔ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دیکھا۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہوا۔ وہ بار بار یہ ہی آیت پڑھ رہی تھی۔ اس کو عنودگی محسوس ہوئی۔ اس نے قرآن مجید کو الماری میں رکھا۔ لحاف کو لے کر بستر کی طرف گئی۔ بستر پر لیٹ کر اس نے سوچا، جب میں جاگوں گی تو اس لحاف کو سب سے پہلے دھولوں گی۔ اس نے آنکھیں بند کی تو فوراً نیند نے اس پر غلبہ پالیا۔

حسن ہو سہیل جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے، انہوں نے نازیہ کو آواز دی۔ نازیہ کی آنکھ کھل چکی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ پاپا کے پاس گئی تو انہوں نے اسے ساتھ چلنے کا کہا اس نے تھوڑا سا وقت مانگا۔ وہ واش روم میں منہ دھو رہی تھی کہ اسے قرآن مجید کے لحاف کا خیال آیا وہ اسے دھونے لگی۔ تھوڑی دیر میں حسن اور نازیہ ہو سہیل پہنچ چکے تھے۔ جہاں عارف اور غزالہ موجود تھے کافی تھکے تھکے لگ رہے تھے۔

حسن نے غزالہ کے قریب آکر دھیرے سے کہا، یہ سب تمہاری شے کا نتیجہ ہے۔ اب لڑکے کو کچھ ہو گیا تو کون ذمہ دار ہو گا۔ تمہارا فرض تھا نا اسے سمجھاتی لیکن تمہیں اپنے ماضی پر بچھڑانے کے سوا کچھ سوچے تو نا۔ کافی گھنٹے گزر چکے تھے۔ شارب کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔ نازیہ خاموشی سے اپنے ماں باپ کی بے بسی کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنی محبت کے کھو جانے کی بجائے اپنی ماں کے دکھ اور تکلیف سے متعلق سوچ رہی تھی۔ کافی دیر کر سی پر بیٹھے بیٹھے وہ تھک چکی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عارف گھر گیا ہوا تھا۔ حسن اور غزالہ کے درمیان ہونے والی بات جیت سے نازیہ کو شدید حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے پاپا کے منہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی تھی جو قابل فخر نہ ہو۔ اس کے پاپا اس کے ہیر و تھے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ اپنے پاپا کی بات مانتی اور عزت کرتی تھی۔ آج اسے اس کا ہیر و ایک عام سا انسان محسوس ہو رہا تھا۔ جو غصہ کو جذب نہیں کر رہا تھا۔ جو اپنی تکلیف اپنے سے کمزور کو منتقل کر دینا چاہ رہا تھا۔ تم غزالہ تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو۔ منحوس تھا وہ دن جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہو گئی۔ اب اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ نازیہ نے پہلی دفعہ اپنے باپ کو اپنی ماں کے لیے ذہر اُگلتا ہوا دیکھا تھا۔ پاپا ایسے کیسے بول سکتے ہیں نازیہ نے اپنی نگاہوں کو حسن کی طرف گماتے ہوئے سوچا۔ ماما کا کیا قصور جو کچھ بھائی نے کیا ہے۔ پھر اس نے اپنی ذات پر اک نگاہ ڈرائی۔

حسن ابھی اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔ تم نہ اچھی بیٹی ہو، نہ اچھی بیوی کم سے کم اچھی ماں تو بن جاتی غزالہ۔ میری ہی عقل پر پتھر پڑے تھے۔ جو لڑکی اپنے باپ کی عزت نہیں رکھ سکتی وہ اپنے شوہر کا گھر کیسے سنبھالے گی۔ میری ماں نے ٹھیک کہا تھا میں کبھی خوش نہیں رہوں گا۔ اب دیکھو۔ غزالہ خاموشی سے سنتی جا رہی تھی۔ نازیہ کو اپنے تمام جسم میں انگارے جلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ وہ پسند کی شادی تھی۔ میرے اللہ۔ نازیہ نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔ میں سوچتی تھی ماما کس قدر خوش ہیں۔ پسند کی شادی کر کے۔ میں بھی پسند کی شادی کروں گی۔ مگر میرے اللہ۔

غزالہ نے دھیرے سے کہا۔ حسن آپ غصہ نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ روتے ہوئے خود کو اور حسن کو تسلی دے رہی تھیں۔ حسن نے مزید غصے میں آتے ہوئے کہا۔ تمہارے جیسی عورت جس گھر میں ہو وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ نازیہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری ہو گئی۔ اس نے افسردگی سے حسن کی طرف آتے ہوئے دھیرے سے ان سے کہا۔ پاپا اس میں ماما کیا کیا قصور۔ حسن فوراً کچھ پیچھے ہو گئے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ نازیہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ نازیہ اور غزالہ کو روتا چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ نازیہ نے اپنی ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ماما۔ یہ ہے آپ کی لومیرج۔ مائی گاڈ۔ آپ نے کبھی شیئر کیوں نہیں کی۔ آپ نے تصویر کے پیچھے کا رخ ہم سے کیوں چھپایا ماما۔ یہ ہے آپ کی خوشگوار زندگی۔ آپ نے پاپا سے کہا کیوں نہیں کہ شادی آپ نے زبردستی نہیں کی ان سے۔ آپ نے کچھ کہا کیوں نہیں بولیں نا۔ ماما بولیں نا۔ غزالہ نے روتے ہوئے کہا۔ میں نے جو گناہ کیا ہے اس کی سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیے نا۔ کیسا گناہ ماما۔ نازیہ نے حیرت سے کہا۔ اپنی ماں کو چھوڑنے کا گناہ۔ اپنے باپ کی عزت کو پاؤں میں روندنے کا گناہ۔ کوئی ایک گناہ کیا ہو تو نا۔ میں اندھی ہو گئی تھی۔ میری آنکھوں پر سہانے خوابوں کی پٹی باندھ دی تھی تمہارے باپ نے۔ مجھے لگتا تھا۔ روتے ہوئے ہچکیوں میں بول نہیں پار رہی تھی۔ نازیہ نے ان کی بے بسی کو اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کا غم تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی ماں تو غموں کے بوجھ میں دبی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اپنے بوجھ کو ہلکا کر لیتی ناما۔ مجھے کیوں نہیں بتایا۔ آپ تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بتاتی تھی۔ اتنا سارا بوجھ دل میں لیے بیٹھی تھیں۔

اس نے پھر اپنے دل کی طرف دیکھا۔ ہم انسان شاہد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دلوں کے بوجھ دوسروں سے بانٹنا بہت مشکل کام ہے۔ شاہد یہ دل ہوتے ہی اسی لیے ہیں کہ ان میں قبریں بنائی جائیں۔ یادوں کی قبریں۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے وجود میں گرتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے دل میں جذب کر رہی تھی۔ اگر تو قیر کے ساتھ شادی کر کے میری زندگی ایسی ہوتی تو بہت اچھا ہے کہ یہ رشتہ راستے میں ہی دم توڑ گیا۔ اس نے اپنی ماں کے وجود کو دیکھ کر تخیل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

ڈاکٹر نے قریب آکر کہا۔ آپ کے بیٹے کو ہوش آگیا ہے۔ غزالہ خاموشی سے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ آئی سی یو کی طرف چل پڑی۔ نازیہ دروازے پر ہی رُکی ہوئی تھی۔ غزالہ نے شراب کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو گر گئے۔

غزالہ نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ شراب یہ سب کرتے ہوئے بیٹا تمہیں کیا ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا۔ شراب نے روتے ہوئے کہا۔ ماما جب خیال آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ سوری ماما۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ ایم ریلی سوری ماما۔ نازیہ نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا

کیا اس کا بھائی موت کے منہ سے نکل آیا تھا۔ وہ دروازے پر کھڑی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی کہ رونے کی آواز نے اسے کی سوچوں کے دھارے کو توڑ دیا۔ کوئی عورت دھاڑیں مار مار کر اپنے جوان بیٹے کی موت کا ماتم کر رہی تھی۔ نازیہ نے جب ویزٹروم کی طرف دیکھا تو اسے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے شراب کو بچا لیا۔ بے شک تو کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اے اللہ تو کریم ہے۔ اسے اپنا وجود اللہ کی ذات سے بہت قریب محسوس ہو رہا تھا۔ ایک عورت اس کے قریب سے گزری بے دھیانی میں اس کا کندھا نازیہ کے کندھے سے ٹکرا گیا۔ اس نے فوراً سوری کہا۔ نازیہ نے کوئی بات نہیں کہہ کر پھر کھڑکی سے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔ جس نے انہیں ایک بہت بڑے غم سے بچا لیا۔

شراب نے بیٹھنے کی کوشش کی اس کو محسوس ہوا کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ کام نہیں کر رہا۔ وہ خود کو گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کا ایک بازو اور ایک ٹانگ کام نہیں کر رہے تھے۔ او میرے خدا کیا میں۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ڈاکٹر کی ٹیم کمرے میں آچکی تھی۔ انہوں نے غزالہ کو ایک سائیڈ پر کر کے شراب کا مکمل معائنہ کیا۔ شراب نے اپنی حالت کا مکمل طور پر ان سے اظہار کر دیا۔ غزالہ رونے لگی۔ ڈاکٹر نے غزالہ کو باہر بھیج دیا۔

نازیہ نے غزالہ کو باہر آتے دیکھ کر فوراً شراب کی حالت کا پوچھا۔ ماما کیا ہوا آپ رو کیوں رہی ہیں۔ ماما بولیں نا۔ حسن بھی واپس آچکے تھے۔ کیا ہوا انہوں نے غزالہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ شراب کو ہوش آگیا ہے، نازیہ نے مجھے فون کیا تھا۔ ڈاکٹر نے کیا کہا۔

ڈاکٹر کی ٹیم باہر آچکی تھی۔ حسن ان کی طرف چلے گئے۔ ڈاکٹر نے حسن کو بتایا کہ شراب نے جو گولیاں کھائی تھیں ان کی وجہ سے اس کی ایک بازو اور ایک ٹانگ مفلوج ہو چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تمام عراب اسی طرح رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت ارادی سے دوبارہ چلنے لگے۔ ٹھیک ہو جائے۔ ہم نے دنیا میں ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قوت ارادی سے اپنے مرض پر قابو پالیتے ہیں۔

حسن کو افسوس کے ساتھ ساتھ شراب پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے شراب کو ڈسپانچ کرنے کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ آپ کے بیٹے کو اب ایسی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج کیا جائے۔ ہاں روٹین چیک آپ کے لیے آپ اسے دو دن بعد لے آنا۔ تب تک کے لیے ہم اسے ویل چیر اور کچھ دوائیں دیں گے۔

ویل چیر حسن نے ڈاکٹر کے جانے بعد چلاتے ہوئے کہا۔ سناتم نے غزالہ ویل چیر۔ اس سے تو اچھا تھا مرنے جاتا تمہارا بیٹا۔ غزالہ نے غصہ سے حسن کی طرف دیکھا۔ روتے ہوئے بولی۔ آپ کچھ بھی کہہ رہے ہیں جو منہ میں آ رہا ہے۔ حسن تو کیا کہوں۔ اس عمر میں ایپینج ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ قوت ارادی۔ ناکام عاشق کے پاس نہیں ہوتی قوت ارادی۔ اسے کہو۔ ایک پتہ اور کھالے گولیوں کا اور میری جان چھوڑے۔ غصے کی شدت میں حسن کیا کہہ رہے تھے انہیں خود اس بات کا علم نہیں تھا۔ ان کی آواز اندر ہتھوڑے کی طرح شراب کے کانوں میں بج رہی تھی۔

اس نے اپنے آپ سے کہا میں ضرور چلوں گا پاپا۔ میں ضرور کامیاب ہو کر دیکھاؤں گا۔ اگر میں موت سے لڑ کر زندہ رہ سکتا ہوں تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ آسو اس کی آنکھوں میں ٹھہر چکے تھے۔ اس نے اپنے نہ بل سکے والے ہاتھ کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر اپنے دوسرے ہاتھ کو اپنی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ شکر ہے اللہ کا میری یہ ہاتھ تو ہلتا ہے، میری یہ ٹانگ بھی ہلتی ہے اس نے اپنی ٹانگ کو کافی اونچا ہوا میں اٹھایا ہوا تھا۔ جب

نرس کمرے میں داخل ہوئی اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ آپ کو کچھ گھنٹوں کے بعد ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ ابھی آپ کو روم میں شفٹ کر رہے ہیں۔ شراب نے اپنے جسم کو گھسیٹ کر نرس کی شفٹنگ کرنے میں مدد کی۔

نازیہ اور غزالہ دونوں ہی رورہی تھیں۔ انہوں نے اپنے آنسو صاف کئے اور شراب کے کمرے میں داخل ہوئی۔ شراب انکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ شاہد میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت مجھ سے سرزد ہو چکی ہے۔ اب اس کے بعد کسی حماقت کی کوئی جگہ نہیں۔ غزالہ نے بھرائی ہوئی آواز میں شراب سے کہا فکر نہ کرو شراب جب تک میں زندہ ہوں۔ وہ پھر رونے لگی۔ شراب نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ ماما۔ ماما۔ آپ کیوں رورہی ہیں۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ میں بہت جلد اپنے قدموں پر چلنے لگوں گا۔ نازیہ نے پاس آکر شراب کا نہ ہل سکے والا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ شراب کو اس کے لمس کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ وہ ہاتھ جیسے اس کے جسم کا حصہ تھا ہی نہیں اس کی پوری بازو کا بھی حال تھا۔ اس نے اپنے جسم کی ہر تلخ حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اُس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے لیکچر نے اس میں ٹھیک ہونے کے لیے کافی جوش بھردیا تھا۔ وہ بار بار اپنے مفلوج ہاتھ اور پاؤں کو ہلانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

توقیر ایر پورٹ پر تھا۔ اس کی کزن ارم اور ماموں آپکے تھے۔ اس نے بڑے جوش سے ان کا خیر مقدم کیا۔ انہیں لے کر گھر آیا۔ اس کی نظر بار بار ارم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خود پریشم کر رہا تھا۔ ارم جیسی خوبصورت لڑکی اس کی شریک حیات بننے جا رہی تھی۔ ارم بھی مسکرا کر اس کی نظروں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔

ان دونوں کی شادی کی تیاریاں ہونے لگی تھی۔ طے یوں ہوا تھا۔ کہ شادی کا کچھ عرصہ ساتھ گزارنے کے بعد ارم واپس یو کے اپنے ڈیڈی کے ساتھ چلی جائے گی اور وہاں سے ویزا بھیج کر توقیر کو بلا لے گی۔ اس دوران توقیر بھی اپنی پڑھاپوری کرنے کے ساتھ ساتھ انگلش لینگویج کو بہتر بنالے گا۔ توقیر کو اپنا مستقبل جنت ساحسین محسوس ہو رہا تھا۔ وہ نازیہ کو بلکل بھول گیا۔

ارم نے حیرت سے فوزیہ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ توقیر نے مسکرا کر کہا شاہد کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتی۔ میری بہن بہت سمجھ دار ہے۔ ارم مسکرا دی۔ اس نے توقیر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے بھی ہڈی پسند نہیں۔ توقیر نے اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے اچھا کہا۔

نازیہ واپس گھر آچکی تھی، شراب ہو سپٹل سے ڈسچارج ہو چکا تھا۔ پورے گھر میں ماتم کا سانسنا تھا۔ نازیہ کچھ دیر شراب کے کمرے میں امی کے ساتھ بیٹھی جو بے بسی کی تصویر بنے ہوئے تھا۔ غزالہ حسن بار بار رورہی تھی۔ وہ شراب کو تسلی دینے کی کوشش کرتی اور پھر خود ہی رونے لگتی۔ نازیہ اپنے کمرے میں آچکی تھی۔ اسے اپنا دل داغ بو جھل لگ رہا تھا۔ اس کے تھرڈ ایر کے امتحان کا رزلٹ آنے والا تھا۔

اس نے موبائل پر فیس بک کھولی۔ اسے سب ایک دھوکا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی کس قدر تلخ ہے اس نے شراب کی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے اپنی لاسٹ پوسٹ دیکھی جو ایک شعر تھا۔ جو اس نے توقیر کو کسی ڈائجسٹ سے پڑھ کر کافی دفعہ سنایا تھا۔ اس نے بھی دل کھول کر داد دی۔ اس نے شعر پر ایک نظر دہرائی۔

وہ جو میرا ہوا نکھوں میں حیار کھتا ہو۔

ہر قدم ساتھ چلے عزم و فار کھتا ہو۔

میں اس کے ناز نہ اٹھاؤں تو گلہ نہ کرے۔

میرے درد کو سہنے کی ادار کھتا ہو۔

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اس کا پورا چہرہ بھیگ چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، آخر محبت ہے کیا۔ کیا محبت ایک دھوکا ہی ہے یا پھر اس کا کوئی وجود بھی ہے۔ اسے شراب کی بے بسی اور اپنے کیے پر شدت سے ملال تھا۔ اس نے لاگ آؤٹ کیا اور اوندھی ہو کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

شراب نے امی کی طرف دیکھا۔ اسے واش روم جانا تھا۔ وہ دل ہی دل میں پریشان ہو رہا تھا۔ اسے کہتے ہوئے شرم آرہی تھی۔ وہ ہر پل اس پل کو کوس رہا تھا۔ جب اس نے خود کشی کا سوچا۔ کتنی بڑی غلطی کر دی میں نے وہ دھیرے سے بڑبڑھایا۔ غزالہ نے اس کی طرف مایوسی سے دیکھا۔ کچھ کہا تم نے شراب۔

شراب نے واش روم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا امی وہ مجھے۔ غزالہ سمجھ گئی، اچھا میں عارف کو بھیجتی ہوں۔ غزالہ کمرے سے جا چکی تھی۔ شراب سوچنے لگا۔ یہ قوت ارادی کہاں سے ملتی ہے جس سے میں دوبارہ پہلے جیسا ہو جاؤں۔ اس نے اپنے بستر پر پیچھے کی طرف خود کو گھسیٹا تاکہ اپنا لیب ٹاپ اٹھا سکے۔ جواون ہوتے ہی بیٹری ختم ہونے کا سگنل دے کر بند ہو چکا تھا۔ اس کی بیٹری کافی دور پڑی تھی۔ وہ بے بسی سے دور پڑی بیٹری کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اب پیٹ میں درد ہو رہی تھی۔ واش روم لے کر جانے کے لیے عارف نہیں آیا تھا۔ اس نے ذور سے آواز دی۔ امی۔ اسی کی آواز کا کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ اس نے خود کو گھسیٹ کر اٹھنے کی کوشش میں خود کو بستر سے نیچے گرا دیا۔ پہلی دفعہ اسے محسوس ہوا کہ اس کا وزن کافی زیادہ ہے۔ انسان کا بوجھ انسان خود کہاں اٹھاتا ہے۔ کوئی ہے جو پرندوں کو ہوا میں گرنے نہیں دیتا اور انسان کو زمین پر چلنے کی آسانی دیتا ہے۔ اس کی ساری قوت ارادی جھاگ کی طرح بیٹھنے لگی۔ اس کے کپڑے پیشاب سے گندے ہو چکے تھے۔ وہ واش روم کے دروازے تک تو پہنچ چکا تھا۔ لیکن گھسیٹ گھسیٹ کر اس کے ہاتھ میں شدید درد ہو رہا تھا۔ واش روم کے دروازے کے آگے اس کی ہمت نے دم توڑ دیا۔

غزالہ عارف کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ یہ لڑکا بھی ناپورا کمرہ پھیلا کر رکھتا ہے۔ وہ بڑبڑھاتے ہوئے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے ذور سے عارف کو آواز دی۔ عارف کتنی دیر ہے بیٹا۔ بھائی کے پاس جاؤ۔ شراب تمہیں بلارہا تھا۔ کافی دیر ہو رہی ہے۔ اسے واش روم جانا ہے۔

عارف واش روم میں سے ہی چلایا۔ امی میں نہار ہا ہوں۔ آپ جائیں۔ غزالہ نے غصے سے کہا آدھے گھنٹے سے تم یہ ہی کہہ رہے ہو۔ کتنی دیر لگتی ہے نہانے میں۔ عارف نے کوئی جواب نہ دیا۔ غزالہ پریشانی کے عالم میں باہر آتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔ کیا میں لے جاؤں شراب کو واش روم۔ میرا بیٹا ہے۔ لیکن وہ۔ پتہ نہیں اس کا وزن سہار پاؤں کی یا نہیں۔ یہ نہ ہو دونوں ہی گر جائیں۔ وہ رونے لگیں۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ وقار بھائی۔ غزالہ نے دیکھتے ہی کہا۔

وقار بھائی غزالہ کے جیٹھ اور حسن کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ فخرہ کہہ رہی تھی کہ شراب کو دیکھ کر آتے ہیں تو۔ غزالہ نے وقار بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فخرہ کہاں ہیں۔ وقار بھائی نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ تو گاڑی پارک کر رہی ہے۔ میری کمر میں درد تھا اس لیے میں نے کہا تمہیں جانا ہے تم ہی گاڑی چلاؤ۔

غزالہ انہیں گیسٹ روم میں لے آئیں۔ آپ بیٹھیں بھائی۔ میں ابھی آتی ہوں۔ وہ عارف کے کمرے میں آئیں جو ابھی تک واش روم میں ہی نہار ہا تھا۔ وہ شراب کے کمرے میں گئی۔ شراب انہیں اپنی آواز اندر تک خود کو کاٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شراب رو رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اس کے سارے کپڑے گندے تھے۔ وہ دروازے کو پکڑ کر گھڑی دم بخود اسے دیکھ رہی تھیں کہ عارف پیچھے سے آیا۔ امی ہٹیں۔

عارف شراب کے قریب پہنچا تو کراہت سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ امی مجھے جمعہ پڑھنے جانا ہے۔ بھائی تو۔ میں کیا کروں۔ غزالہ نے غصے سے عارف کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہی شراب سے کچھ دور فاصلے پر کھڑے تھے۔ غزالہ نے دانت پیستے ہوئے عارف سے کہا۔ میں اس کے کپڑے کیسے بدلوں گی۔ تم کیسے بھائی ہو۔

عارف بھرم ہو گیا۔ امی بھائی تو اب یوں ہی رہنے والا ہے۔ آپ مجھ سے کیا امید کرتی ہیں۔ میں اس کی آیا بن جاؤں۔ سوری مجھ سے پوٹیاں صاف نہیں ہوتیں۔ بھائی کو آپ پیپر پہنائیں یا پھر کوئی میل نرس رکھ لیں۔ میں نماز کے لیے جا رہا ہوں۔ میرے کپڑے ناپاک ہو جائیں گئے۔ مجھے ویسے بھی جمعہ کے لیے دیر ہو رہی ہے۔ عارف کمرے سے نکلا تو خوشبو بدبو میں بدل چکی تھی۔ غزالہ ماں تھی۔ وہ اس طرح کمرے سے نہیں جاسکتی تھی۔ اس نے شراب کو گلے سے لگا لیا جو رو رو کر تھک چکا تھا۔ اسے اپنا وجود کسی بے کار پتھر کا سا محسوس ہو رہا تھا۔ غزالہ نے اس کی واش روم کے اندر جانے میں مدد کی پھر اس کے کپڑے تبدیل کیے۔ شراب دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کاش کہ میں مر جاتا۔ اسے اپنے اندر کسی کا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی ماں جب اس پر پانی ڈال رہی تھی۔ اس کی گندگی صاف کرنے کے لیے اسے ہاتھ لگا رہی تھی۔ وہ دونوں ہی رو رہے تھے۔ شراب سوچ رہا تھا۔ روز مرنے سے ایک دن کامر جانا کتنا اچھا ہے۔ کاش کہ رب کو میں قبول ہوتا لیکن میری ضرورت شہد اسے بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی ماں کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مائیں اپنے بچوں کے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہوتی ہیں جو مر بھی رہی ہوں تو اولاد سے منہ نہیں پھیرتی۔ شراب غزالہ کے منہ کی طرف بار بار دیکھ رہا تھا۔ اس نے کیوں اپنی ماں کے بارے میں نہیں سوچا۔ اسے ایک لڑکی نے ایسا اندھا کر دیا تھا۔ وہ سوچتا جا رہا تھا اور غزالہ کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

کمرے میں نازیہ آئی تو شراب اور غزالہ واش روم میں تھے۔ اس نے آواز دی۔ امی فخرہ آئی آپ کا پوچھ رہی ہیں غزالہ نے نازیہ سے بھری ہوئی آواز میں کہا نازیہ بیٹا بھائی کے الماری سے کپڑے نکال دو۔ بیڈ پر رکھ دو۔ نازیہ کو عجیب سا محسوس ہوا۔ امی عارف کہاں ہے۔ غزالہ نے افسردگی سے کہا

جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ نازیہ نے کافی عرصہ بعد شراب کی الماری کھولی تھی۔ کھولتے ہی خوشبو کا جھونکا باہر آتا ہوا محسوس ہوا۔ شراب کو پرفیوم جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس کے پاس مختلف قسم کی خوشبوؤں کی کو لیکشن تھی۔

نازیہ نے کپڑے نکال کر الماری بند کر دی۔ اسے اپنی ماں کی بے بس اور اپنے بھائی کی لاچاری کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ زندگی پل میں کس طرح بدل جاتی ہے۔ شراب کا کیا ہو گا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ اس کے آنسو آنکھوں سے چھلکنے لگے۔ ہم جس قدر موت کو آسان سمجھتے ہیں۔ اس قدر آسانی سے میسر نہیں ہوتی۔ بھائی نے خود کے ساتھ کیسا ظلم کر لیا۔ پیچھے سے فاخرہ کمرے میں داخل ہوئی تو نازیہ چونک گئی اسے عجیب شرمندگی محسوس ہوئی۔ جواب ان کی زندگیوں کا حصہ بننے والی تھی۔ فاخرہ نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنتے ہوئے کہا۔ شراب کہاں ہے۔ تمہاری امی کہاں ہیں۔ ہمیں بیٹھا کر تو وہ غائب ہی ہو گئی۔

نازیہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ آپ گیسٹ روم میں جا کر بیٹھیں ہم آتے ہیں۔ غزالہ نے نازیہ کو آواز دی۔ نازیہ تم یہاں ہی ہو یا چلی گئی۔ نازیہ نے افسردگی سے کہا۔ یہاں ہی ہوں امی۔ غزالہ نے کہا۔ تم چلی جاؤ یہاں سے۔ نازیہ اور فاخرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نازیہ کمرے سے نکل گئی فاخرہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

سین نے شراب کو فون کیا۔ شراب کا فون اس کے سٹڈی ٹیبل پر پڑا تھا۔ جو نازیہ نے کمرہ ٹھیک کرتے ہوئے رکھ دیا تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ شراب فون کو دیکھ رہا تھا۔ کون فون کر رہا ہے مجھے۔ مجھے کوئی کیوں فون کرے گا۔ ایک ایپنچ اور بیکار انسان کو ایک ایسے انسان کو جو خود اپنے کپڑے تک نہیں بدل سکتا۔ وہ چھوٹے بچے کی طرح رونے لگا۔ ڈاکٹر کا دیا جانے والا لیکچر اس کے دل و دماغ سے محو ہو چکا تھا۔ اس کی ماں پچھلے ایک ہفتہ سے اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ وہ دن رات مرنے کی دُعا کر رہا تھا۔ اس کے اندر موت کا خوف اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اب وہ مرنے کے لیے خود کچھ کرنے کو تیار نہ تھا سوائے دعا کرنے کے۔ وہ ان دنوں کو یاد کر کر کے دن گزارتا جب وہ ٹھیک ہوتا تھا۔

گھنٹی مسلسل جاری تھی۔ نازیہ کمرے میں آئی۔ اس نے شراب کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر موبائل پر پڑی اس نے موبائل اٹھا کر شراب کو دیا۔ بھائی آپ کا فون۔ شراب نے فون کو دیکھا۔ جس کی بیٹری ختم ہونے والی تھی۔ اس نے نازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تم مجھے موبائل کا چارجر اور ایکسیشن دے سکتی ہو۔ فون کی بیل بج رہی تھی۔ نازیہ نے جی کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ شراب نے سین کی ہلکی سی آواز سنی۔ شراب کیسے ہو؟

شراب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کاش کہ مر جاتا یا جی جاتا۔ سین نے افسردہ لہجے میں کہا۔ اب کیسے ہو۔ شراب نے خاموشی سے فون بند کر کے چارجر لگا دیا۔ اس نے اپنا لیب ٹاپ کھولا اور اس میں سین کی تصویروں والے فولڈر کو ڈلیٹ کر دیا۔ اس کے لیب ٹاپ پر جو کچھ بھی سین سے متعلقہ تھا۔ اس نے ایک ایک چیز کو ڈلیٹ کر دیا۔ اس نے اپنا نوٹ پیڈ نکالا اور ایک ایک لفظ بہت دیر دیر تک دیکھنے کے بعد لکھا۔

ہم کاش کہ اپنے وجود سے ناپسندیدہ یادوں کو ڈلیٹ کر پاتے۔ کاش کہ انسان اپنی دوبارہ پروگریڈنگ کر سکتا۔

سین نے کافی دفعہ فون کیا۔ شارب نے فون نہیں اٹھایا۔ اسے عجیب بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ شارب نے کچھ کہا کیوں نہیں۔ وہ کیسا ہوگا۔ کیا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا وہ ٹھیک نہیں۔ میرے اللہ میں کیا کروں۔ کافی دیر گارڈن میں چلنے کے بعد بھی بے چینی تھی کہ اس کے وجود سے جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ اپنے آپ سے بڑبڑھائی شارب میرا فون کیوں نہیں لیتا۔ اب کیا کروں۔

وہ کمرے میں آچکی تھی۔ شارب نے اسے جو کتاب دی تھی وہ اسے گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ جیسے وہ شارب کی طرح اس سے ہمکلام ہو جائے گی۔ اس نے پھر ورق گردانی کرنی شروع کی۔ ایک غزل کا شعر اسے پسند آیا۔

مجھے بھی ڈھونڈ کبھی محو آئینہ داری

میں تیرا عکس ہوں لیکن تجھے دیکھائی نہ دوں

اسے غزل کا شعر اچھا لگا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ کہیں مجھے بھی تو شارب سے محبت نہیں ہوگی۔ یہ کیا ہے۔ میری سوچ اس سے جدا ہی نہیں ہو رہی۔ میں کیوں یہ کتاب پڑھ رہی ہوں مجھے تو اس میں کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ وہ اپنے پڑھے ہوئے شعر کو دہرا رہی تھی۔ پھر اس نے غزل کو مطلع سے شروع کی۔

تڑپ اٹھوں بھی تو ظالم تیری دُہائی نہ دوں۔

میں زخم زخم ہوں پھر بھی تجھے دکھائی نہ دوں۔

تیرے دل میں دھڑکنے لگا ہوں دل کی طرح۔

یہ اور بات ہے کہ اب بھی تجھے سنائی نہ دوں۔

اس نے چھ دفعہ یہ شعر دہرایا۔ پھر اس نے غزل کو منہ پڑھنے کے لیے نظر نیچے کی۔

خود اپنے آپ کو پرکھا تو یہ ندامت ہے۔

کہ اب کبھی اسے الزام بے وفائی نہ دوں۔

میری بقا ہی مری خواہش گناہ میں ہے۔

میں زندگی کو کبھی زہر پار سنائی نہ دوں۔

سین کے موبائل پر رینگ ہوئی تو اس نے کتاب رکھ کر فوراً فون اٹھالیا۔ شارب تم نے فون کیوں کاٹ دیا تھا میرا۔ بولو نا تم ٹھیک تو ہو۔

شارب نے اس کی بات مکمل سننے کے بعد کہا۔ کوئی بات کرنے کو رہی ہی نہیں تو کیا کروں۔ تمہارا نکاح ہو گیا۔ سین نے شرمندگی سے اپنا ہونٹ کاٹا۔ نکاح۔ وہ۔ وہ۔ میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا۔ شارب کو اپنے پورے جسم میں جلن اترتی محسوس ہوئی۔ تمہارے ایک مذاق نے میری پوری زندگی

بدل دی سبین۔ دونوں طرف کچھ دیر کی خاموشی رہی۔ پھر سبین نے کہا۔ تمہاری اس حرکت نے میری بھی زندگی بدل دی۔ میں سوچتی تھی کہ آج کہ دور میں محبت صرف کتابی ہی ہے۔ کوئی کسی کی خاطر کچھ نہیں کرتا۔ تمہاری روح شاہد اس دور کی نہیں۔ اس کا لہجہ تمسخر خیز تھا۔

شارب نے اس کی بات کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ کچھ مایوسی کے ساتھ بولا۔ تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ سبین نے کچھ دیر کے تحمل کے بعد کہا۔ لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔ پتہ نہیں شاہد ہاں شاہد نہیں۔

شارب نے فون پھر سے بند کر دیا۔ کچھ دیر فون کو دیکھنے کے بعد اس نے فون پاور ڈآف کر دیا۔ وہ سوچنے لگا۔ کاش کہ وہ خود کشی کرنے کی بجائے سبین کو پانے کی کوشش کرتا۔ اگر وہ نہ بھی ملتی تو دنیا ختم تھوڑی ہو گی تھی۔ کیسی حماقت کی اس نے۔ اللہ کی دی ہوئی سب سے خوبصورت نعمت کو ٹھکرا دیا۔ اسے ڈاکٹر کا دیا ہوا لیکچر یاد آنے لگا۔

وہ انکھیں بند کر کے اس کی اس بات کو دہرانے لگا۔ جس نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا۔

ارادہ ایک لوہے کی مانند ہوتا ہے۔ جس کے چاروں طرف خواہش کا مقناطیس ہوتا ہے۔ جس مقناطیس میں زیادہ قوت ہو گی، وہ ہی اس لوہے کو کھینچے گا۔ آپ اپنے ارادے سے کچھ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی۔

جن لوگوں کی قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ انہیں اپنے آپ پر قابو ہوتا ہے۔ وہ بہت سنجیدہ ہوتے ہیں۔ وہ پرسکون اور مطمئن ہوتے ہیں۔ سچے دل سے انسان جب کسی خواہش کو پانے کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ اس کی کوشش میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتا ہے تو وہ اپنے مقصد کو ضرور پالیتا ہے۔ شارب نے اپنی انکھیں کھول لیں۔ اسے اپنے دل کی دھرکن تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے مفلوج جسم کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے انٹرنیٹ سے ایسے بہت سے لوگوں کی آٹو بائیو گرافی ڈون لوڈ کیں جو کسی حادثہ کی وجہ سے مفلوج ہونے کے بعد زندگی کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اس نے دوبارہ جینے کا فیصلہ کیا۔ وہ ضرور کچھ ایسا کرے گا، جس سے وہ دوسروں پر بوجھ نہ رہے۔ اس کے پاس ویل چیر نہ تھی۔ وہ نکولس کی زندگی پر مبنی ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ جو آسٹریلیا سے تعلق رکھنے والا بغیر ہاتھ اور پیر کے پیدا ہونے والا آدمی تھا۔ جس نے اپنی محنت سے اپنی زندگی بدل دی تھی۔ شارب سوچ رہا تھا۔ کیا وہ کچھ ایسا کر پائے گا۔ کاش وہ جو کر چکا ہے وہ نہ کرتا۔ اس کا کاش ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

وہ محبت سے متعلق سوچتا بھی نہیں تھا۔ ہر وقت جو سبین نام کی گھٹی اس کے دماغ میں بجتی تھی، جسے وہ محبت کا نام دیتا تھا بند ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ کاش نے لے لی تھی۔ زندگی کس قدر قیمتی ہے۔ رب کی نعمتیں کس قدر قیمتی ہیں اسے اس کاشدیت سے احساس ہو رہا تھا۔

اس نے بی اے کے امتحان دینے کی ٹھانی۔ اس کا تذکرہ اس نے غزالہ سے کیا۔ جو کچھ پریشان سی لگ رہی تھیں۔ شارب جاننا چاہتا تھا مسئلہ کیا ہے لیکن غزالہ کی خاموشی نے اسے کچھ بھی سمجھنے کا موقع نہ دیا۔

غزالہ بہت پریشان تھی۔ اس کے لیے گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ شارب کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے جب حسن سے اپنی مشکل بانی تو اسے مزید باتیں ہی سننے کو ملی۔ حسن نے چیخنے ہوئے کہا۔ میری مالی حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں تمہارے بیٹے کے لیے میل نرس کا انتظام کروں۔ گھر میں جوان لڑکی ہے۔ سارا دن کسی غیر مرد کا گھر میں ہونا درست بھی نہیں۔

نازیہ کے دل پر توفیر کی بے وفائی نے گہرا اثر کیا تھا۔ اس کی زندگی میں بہت تبدیلی آچکی تھی۔ اس نے فوزیہ سے دوستی چھوڑ دی تھی۔ اس نے توفیر سے متعلقہ ہر چیز کو خود سے دور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ہر جمعہ کو درس پر جانے لگی تھی۔ اسے اپنے کیے پر بہت افسوس تھا۔ وہ رات سوچتی جو دھوکا اس نے اپنے والدین کے ساتھ کیا ہے اسے نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ زندگی اپنے آپ میں ایک امتحان ہے۔ انسان کبھی کبھی وہ کچھ بھی کر جاتا ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ خود ہی خود کو تسلیاں دیتی۔ آج درس دینے کے لیے سیدہ سعدیہ آئیں ہوئی تھیں۔ جمعہ کا دن بہت مبارک دن ہوتا ہے۔ انہوں نے درس کی شروعات کی تو نازیہ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہو رہی تھی۔ وہ توبہ سے متعلق درس دے رہی تھیں۔ نازیہ کو بار بار اپنے گناہ یاد آ رہے تھے۔

سعیدہ کہہ رہی تھیں۔ قرآن صاف صاف بتاتا ہے۔ اللہ کی حدوں کے بارے میں۔ خاص تنبیہ کرتا ہے کہ ان حدوں کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ لیکن انسان چونکہ خطا کا پتلا ہے۔ خطا تو لازم ہے۔ یہ تو حضرت آدم سے ہو گئی تو ہم تو انہی کی نسل ہیں۔ توبہ لازمی ہے۔ اللہ کو توبہ پسند ہے۔ نازیہ نے افسردگی سے پوچھا۔ توبہ قبول ہو گئی ہے یہ کیسے پتہ چلے گا۔ درس میں موجود سب خواتین نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ دوبارہ زمین پر بیٹھ گئی۔ سیدہ سعدیہ مسکرائی۔

یہ بہت اہم سوال ہے جو ایک انسان کو شدید پچھتانے کے بعد دل میں چھبھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پتہ نہیں اس کی توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں۔ کسی نے رابعہ بصری سے بھی یہی سوال پوچھا تھا۔ گنگار کی توبہ قبول ہوتی ہے کیا؟ تو انہوں نے کہا تھا۔ کہ توبہ کی توفیق ہی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ انسان اس وقت تک توبہ کر ہی نہیں سکتا جب تک اللہ (توفیق) موقع نہ دے۔ جب اللہ کی طرف سے توفیق مل گئی تو پھر قبولیت میں شک ہی نہیں رہتا۔ نازیہ نے اپنے دل پر سے بوجھ کو ہلکا ہوتا ہوا محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دل میں دُعا۔ اے اللہ مجھے معاف فرما دے۔ جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے۔ اس پر میری گرفت نہ کرنا۔ درس کے ختم ہونے کے بعد سیدہ سعدیہ نے نازیہ کو اپنے پاس بلایا۔ انہوں نے بہت پیار سے اس کا نام پوچھا اور بولیں۔ دین کے بارے میں استفسار اور رب کو راضی رکھنے کی سوچ ہی بہت بڑی نیکی ہے۔ صدا خوش رہو۔ تم کہاں رہتی ہو بیٹا۔ نازیہ نے انہیں تفصیل بتائی۔ انہوں نے اس کی امی کا پوچھا تو اس نے شارب کے متعلق بھی انہیں بتایا۔ انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ آج کل ہمارے نوجوانوں کو میڈیا اس قدر غلط تعلیم و تربیت دے رہا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ خود کشی جیسا فعل میرے اللہ۔ نازیہ نے افسردگی سے منہ بنایا۔ سیدہ سعدیہ نے پھر نازیہ سے بڑے پیار سے کہا۔ اپنے بھائی کا خیال رکھو۔ بندے کا بندے پر بڑا حق ہوتا ہے۔ نازیہ کو سیدہ سعدیہ بہت اچھی لگی۔ وہ گھر آ کر غزالہ کو ان سے متعلق بتا رہی تھی۔ جو کافی تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

یونیورسٹی کے امتحان شروع ہو رہے تھے۔ اس کی خواہش خواہش ہی رہ گئی۔ وہ امتحان میں شرکت نہیں کر پایا تھا۔ سین کے کے میں شارب سے ملنے کی لگن بڑھ چکی تھی۔ اس نے عنابیہ سے منت سماجت کر کے اسے راضی کر لیا کہ وہ یونیورسٹی امتحان کے ختم ہونے کے بعد شارب سے ملنے جائیں گئیں۔ شارب کی دوستیاں اب انٹرنیٹ تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس کے جو یونیورسٹی کے دوست تھے انہوں نے اس سے بات جیت چھوڑ دی

تھی۔ اس نے سین سے بات کرنا بالکل ختم کر دی تھی۔ سین نہیں جانتی تھی کہ شراب یونیورسٹی کا امتحان کیوں نہیں دے رہا۔ شراب نے انٹرنیٹ پر کام کرنے کی ٹھانی۔ وہ اب کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے نازیہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ نازیہ نے اسے ہر ممکن مدد کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ انہوں نے گھر تبدیل کر لیا۔ حسن نے شراب کو ویل چیر لے دی تھی۔ نازیہ گھر کے کاموں میں غزالہ کا مکمل ساتھ دینے لگی تھی۔ جس سے وہ شراب کو دیکھنے میں اب آسانی محسوس کرنے لگی تھی۔ عارف سب سے الگ تھک رہتا تھا۔ اسے صرف اپنی ذات سے ہی مطلب تھا۔ وہ شراب کے کمرے میں بھی نہیں جاتا تھا۔

عناہیہ اور سین جب شراب کے گھر اس سے ملنے آئیں تو وہاں سے جا چکا تھا۔ انہوں نے جب محلے میں اس سے متعلق پوچھا۔ تو شراب کی حالت سے متعلق سین کو علم ہوا۔ وہ حیران رہ گئی۔ شراب نے تو مجھے نہیں بتایا۔ او میرے اللہ۔ شراب ایسا کج ہو گیا۔ اُف اس نے مجھ سے ذکر بھی نہیں کیا۔ وہ میرا فون اسی لیے نہیں لیتا۔ میری وجہ سے وہ روتے روتے عناہیہ کو کہہ رہی تھی۔ عناہیہ بھی ششند و حیران کھڑی تھی۔

واقعی بہت بُرا ہوا۔ اچھا خاصا لڑکا تھا۔ اپنے ساتھ بڑا ظلم کر لیا اس نے۔ عنابہ نے سین کو تسلی دی۔ دیکھو سین جو کچھ ہوا اس میں تمہاری کیا غلطی۔ اس نے تم سے پوچھ کر یہ سب تھوڑا ہی کیا ہے۔ قسمت ہے اس کی۔ جو قسمت میں ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ انسان تو بے بس ہے۔ اللہ کی مرضی کے بغیر یہ بھی نہیں ہل سکتا۔ سین ادا اس خاموش واپس لوٹ چکی تھی۔

سبین سبین تم کیا سوئی ہی رہو گی۔ اُٹھو نا۔ سبین کی ماں ثریا اس کے سر پر کھڑی تھی، وہ تھی کہ ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ انہوں نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس کا جسم تپ رہا تھا۔ سبین، سبین وہ باہر سبین کے ڈیڈی کے پاس آئیں۔ سبین کو تو لگتا ہے بخار ہے۔ اسی لیے شاہد ہماری آواز اسے نہیں آرہی تھی۔ وقار صاحب نے کچھ تحمل کے بعد کہا۔ ڈاکٹر کو فون کر لو۔ چیک کر لیں۔ مجھے جلدی ہے، واپس آکر اسے دیکھوں گا۔ ثریا نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ اچھا۔ آپ فکر نہ کریں۔ چار دن بعد کی ٹکٹ کروائی ہیں نا۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ وقار نے ثریا کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا ہاں ہاں۔ بخار کوئی ایسی بڑی بیماری تھوڑی ہی ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔

ثریادوبارہ سین کے کمرے میں آئی۔ سین بیٹا اٹھو میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ وہ آتا ہی ہوگا۔ کچھ دیر بعد سین نے اپنی سُرُخ سُرُخ سو جھی ہوئی انکھیں کھولیں۔ امی ڈاکٹر کو کیوں بلایا۔ ثریانے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ کی پھیرتے ہوئے کہا، تمہارے لیے۔ تمہیں بخار ہے نا۔ مجھے سین نے تردید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں تو۔

ثریا۔ چیک کروالو ویسے بھی چار دن بعد کی دہائی کی ٹکٹ ہوئی ہیں ہم لوگوں کی۔ ہم سب کو جانا ہے سیر کے لیے۔ تمہارے ڈیدی نے بڑھی مشکل سے وقت نکالا ہے۔ ہم تمہارے ماموں کے گھر رہیں گئے۔ کریم تو بہت خوش ہے۔ ہم لوگ چاہرے ہیں تم اور کریم ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لوتا کہ تمہاری شادی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سین نے امی کی بات کاٹ دی۔ شادی نہیں نہیں شادی نہیں۔

ثریانی نے سین کی طرف دیکھا، کیوں نہیں۔ شادی کیوں نہیں۔ امتحان ہو چکے ہیں تمہارے، تم نے کہا تھا، اب کیسے۔ سین نے تلخ لہجے میں کہا۔ مجھے نہیں جانا کہیں۔ مجھے شادی وادی نہیں کرنی۔ وہ واش روم چلی گئی۔ ثریا کو سین کے رویے پر حیرت ہو رہی تھی۔

سین کو اپنا وجود خالی خالی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ آئینہ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ آخر اس میں ایسا کیا تھا کہ شراب نے اپنی پوری زندگی برباد کر لی۔ وہ رات کو بھی اسے سوچ سوچ کر روتی رہی تھی۔ جب وہ واش روم سے باہر آئی تو اس کی ماں عنابیہ سے بات کر رہی تھی۔ انہیں شراب سے متعلق تمام معلومات مل چکی تھیں۔ اودہ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ مگر اس میں سین کی تو کوئی غلطی نہیں۔ انتہائی بے وقوف لڑکا تھا۔ سین کے کانوں میں آواز جا چکی تھی۔ اما۔ آپ کس سے بات کر رہی ہیں۔

ثریانی نے سین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عنابیہ سے۔ سین نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ کیوں۔

ثریانی نے اس کی طرف دیکھا۔ افسردگی سے بولی۔ جب تم نہیں بتاؤ گی کہ تمہاری زندگی میں کیا چل رہا ہے تو مجبور اُکسی اور سے ہی پوچھنا پڑے گا۔ دس اڈناٹ فیر۔ اما۔ آپ نے عنابیہ کو فون کیوں کیا۔ دیکھو سین ہمارے کوئی دس بچے نہیں ہیں۔ تم ایک ہی ایک بیٹی ہو ہماری۔ ہماری ساری خوشیاں اور غم تم سے ہی وابستہ ہیں۔ جس لڑکے کی وجہ سے تم پریشان ہو رہی ہو۔ وہ اپنی کرنی بھگت رہا ہے۔ تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

سین نے اونچی آواز میں تردید کر دی۔ واسطہ ہے۔ اما۔ واسطہ ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کی ماں نے حیرت اور غصہ سے کہا۔ کیا تم ایک اپنی سچ سے شادی کرو گی۔ کبھی خود کا بھی کام کیا ہے تم نے۔ شہد اب اس کے سر سے بھی تمہاری محبت کا بھوت اُتر گیا ہو۔ تم آج کل کے بچے کیا جانتے ہو محبت کو۔ محبت قربانی اور صبر کا دوسرا نام ہے۔ تمہاری محبت ایک دن ہوتی ہے، دوسرے دن شادی کرنے کا سوچتے ہو۔ تیسرے دن اختلاف رائے اور چوتھے دن طلاق۔ زندگی اتنی بھی آسان نہیں ہے سین۔

سین مجھے نہیں پتہ اما آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ میرا دماغ بالکل کام نہیں کر رہا۔ مجھے لگتا ہے کہ میں پاگل ہو رہی ہوں۔ وہ میرے دل و دماغ سے نکلتا ہی نہیں۔ مجھے خود پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں جتنا چاہتی ہوں، اس کے بارے میں نہ سوچوں، میں اسی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ وہ روتے ہوئے اپنی ماں کے گلے لگ گئی، جو بہت پریشان حال اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

ثریانی نے سین کو تسلی دی تم دُبی جاؤ گی تو تمہارا دل بہل جائے گا۔ سین۔ بھولنے کے لیے چیزوں کو وقت چاہیے ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ بڑی بڑی باتیں انسان کے دل و دماغ سے محو ہو جاتی ہیں۔

شراب نے سین کا فون لینا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سین جب اس کی حالت دیکھے گی تو اس کی محبت ہمدردی میں بدل جائے گی۔ وہ اب محبت کے نہیں ہمدردی کے لائق ہی رہ گیا ہے۔ وہ دن رات سوچنے لگا کہ کیسے وہ پیسے کمانے کے لائق ہو جائے۔ اس کی وجہ اس کا بھیاںک خواب تھا۔

ایک رات وہ سو رہا تھا۔ اس نے دیکھا۔ اس کا بھائی گھسیٹ کر اسے لے جا رہا ہے۔ وہ اسے ایک فٹ پاتھ پر بیٹھا آیا ہے تاکہ لوگ اسے بھیک دے سکیں۔ خواب دیکھنے کے بعد وہ پیسے کمانے اور کوئی کام کرنے کے بارے میں شدت سے سنجیدہ ہو گیا۔ وہ بھکاری نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے ویب ڈیزائننگ کا کورس کیا۔ وہ دن رات محنت کر کے خود چھوٹی سے چھوٹی چیز سیکھ رہا تھا۔ اس نے سیلف ڈیولپمنٹ سے متعلقہ ڈھیروں کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔

وہ اب سوچنے لگا تھا۔ شاہد یہ حادثہ نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنی ذات کی اہمیت کو جان نہ پاتا۔ کبھی خود سے محبت کرنے کو ترجیح نہ دیتا۔ نہ ہی وہ اس عظیم قوت کی تسخیر کر پاتا جو انسان کو ہر حال میں قبول کر لیتی ہے۔ انسان کی مدد کرتی ہے۔ وہ ہر پل اپنی ماں کی عظمت کو محسوس کرتا۔ اپنی بہن کی محبت کو سلام کرتا جو اسے کبھی کبھی۔ باہر لے کر جاتی۔ اس سے اکثر دین سے متعلقہ باتیں کرتی۔ اس کی باتیں سنتی۔ یہ وہی بہن تھی جسے کہیں جانا ہوتا اور اس کی ماں کہتی شارب تم اس کے ساتھ جاؤ تو شارب اپنا دل تنگ ہوتا محسوس کرتا تھا

آج اس کی زندگی بدل چکی تھی۔ لوگوں کے رویے بدل چکے تھے۔ اس نے گھر کے خرچ کے لیے رقم دینا شروع کر دی تھی۔ اس کی ماں نے دیگر گھر کے کاموں کے لیے کام والی عورت رکھ لی تھی۔ گھر کا ماحول کافی حد تک بہتر ہو چکا تھا۔ شارب نے اپنے لیے ایک فزیو تھراپسٹ کا اہتمام بھی کیا تھا۔ جو اس کے بازو اور ٹانگ کو ٹھیک کرنے کے لیے چند ایکسرسائز کرواتا۔ چند ڈوائس بھی دے رہا تھا۔ شارب دن رات انٹرنیٹ پر کام کرنے لگا تھا۔ اسے کام کرتے دو سال گزر چکے تھے۔ اس نے اپنے لیے ریمورٹ سے چلنے والی سیکنڈ ہینڈ چیر لے لی تھی۔

توقیر بہت غصہ میں رہنے لگا تھا۔ فوزیہ کی شادی ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں بس گئی تھی۔ لیکن توقیر کا ویزہ ہی نہیں لگ رہا تھا۔ تین دفعہ ویزہ کے پیپرز کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہو جاتا اور وہ رہ جاتا۔ اس نے انگلش کا کورس بھی دو دفعہ مکمل کر لیا تھا۔ وہ ہر روز رات کو بات کرتا۔ دن کو بات کرنے سے ارم نے منع کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ وہ جاب کرتی ہے۔ اس کا دن بڑی ہوتا ہے۔ رات کو بھی وہ اس سے دس منٹ سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔

نازیہ کی تصاویر ابھی ابھی اس کے موبائل میں تھی۔ وہ نازیہ کو فون کرتا تو کوئی موبائل نہیں اٹھاتا۔ نیل جاتی اور بند ہو جاتی۔ اس نے دل بہلانے کے لیے کافی دوستیاں کی، مگر جس قسم کا وہ تعلق چاہتا تھا۔ اسے نہیں مل رہا تھا۔ ہر لڑکی کہاں محبت کے نام پر بے وقوف بنتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا۔

نازیہ کی شادی فاخرہ آنٹی کے بیٹے سے طے ہوئی تھی۔ اس کی سوچ اور عمل مکمل بدل چکا تھا۔ درس و تدریس کی محفلوں میں شرکت سے اس کے کردار میں مکمل تبدیلی آچکی تھی۔ وہ مکمل شرعی پردہ کرنے لگی تھی۔ وہ جب بھی نماز پڑھتی،

اسے توقیر ایک گناہ کے روپ میں یاد آنے لگتا، وہ اکثر رور و کر اپنے گناہ کی معافی مانگتی۔ وہ نماز کے بعد ایک یاد و آیات قرآنی کی تلاوت کرتی۔ اس کے ترجمہ کو غور سے پڑھتی۔ آج بھی وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو قرآن کھول کر بیٹھ گئی۔

وہ سورت نسا کی آیت کا ترجمہ پڑھ رہی تھی۔

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا، انہیں جو اپنی پاکیزگی کی ستائش خود کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے۔ کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ دیکھ تو یہ لوگ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے۔ کیا تو نے انہیں دیکھا، جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے۔ جو بتوں اور باطل بتوں کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی۔ اور جسے اللہ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

وہ بار بار ترجمہ کو پڑھتی اور سوچتی، کبھی کبھی نیکی اور بدی میں کتنی ہلکی سی لکیر ہوتی ہے۔ انسان کب اس لکیر کو نظر انداز کر کے دونوں کو آپس میں ملا دیتا ہے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہم انسانوں کو دنیا داری کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اللہ کی ذات اور خوشنودی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ انسان کی محبت انسان کے دل کو مدد ہوشی دیتی ہے، جبکہ رب کی محبت انسان کے دل میں سکون بھر دیتی ہے۔ انسان کی محبت میں اس فانی انسان کو کھودینے کا دھڑکا لگا رہتا ہے، جبکہ رب تو کسی پل بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا ہے۔ وہ توازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ میں جسے سکون سمجھ رہی تھی وہ سکون نہیں تھا۔ کیا میں پاکیزہ ہوں، وہ دیر تک سوچتی اور دیر تک روتی رہی۔ کبھی کبھی گناہ اس قدر پیچیدہ ہوتے ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کہ ہم سے جدا ہوئے ہیں یا ہماری ذات کے کسی حصہ میں ہی تحلیل ہو گئے ہیں، جن کا جدا ہونا ناممکن ہے۔

غزالہ کی آواز پر نازیہ چونک گئی۔ اس نے اپنی بیگلی ہوئی آنکھوں کو صاف کیا۔ دھیرے سے جی امی کہا۔ غزالہ جو اس کے سر پر ہی کھڑی تھیں، مسکرا کر بولیں۔ میں کسی خوش قسمت ہوئی، مجھے ایسی نیک اور پرہیزگار بیٹی ملی ہے۔ اللہ ہر کسی کو ایسی نیک اولاد دے۔ اپنی ماں کی بات سن کر اسے اپنے اندر ایک کسک سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھوں میں آجانے والے نئے آنسوؤں کو پلک چھپک کر چہرے پر گرا دیا۔ نیک اور پرہیزگار اس نے الفاظ کو اپنے ذہن میں بہت آہستہ سے دہرایا۔

توقیر کا ویزہ آچکا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ انگلیںڈ جانے کی خوشی میں وہ سب دوستوں سے مل کر انہیں مٹھائیاں کھلا رہا تھا۔ جب وہ ماموں کے گھر پہنچا تو اس کا بہت گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ ارم نے بھی مسکرا کر اس کو خوش آمدید کہا۔ اس نے ارم کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ تم مجھے لینے کیوں نہیں آئی۔ اس پر ارم نے مسکرا کر کہا۔ میں کچھ مصروف تھی۔

رات کے کھانے کے بعد ارم نے بتایا کہ اس نے ایک گھر کرایہ پر لیا ہے، توقیر اور وہ اس گھر میں رہیں گئے۔ توقیر کو سن کر حیرت ہوئی۔ کرایہ کا گھر کیوں۔ ارم کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ارم نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولی۔ مجھے دخل اندازی نہیں پسند، میں اپنے طریقے سے اور اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں۔ توقیر کو اس کا لہجہ اچھا نہیں لگا مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔

سین نے شارب سے کا تعلق استوار کرنے کی بہت کوشش کی، وہ ہر بار اس کا فون کاٹ دیتا۔ اس نے فیس بک پر بھی اسے ان فرینڈ کر دیا تھا۔ سین کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پچھلے دو سال سے وہ شاعری پڑھ کر اور محبت پر مبنی ناول پر کراپنا وقت گزار رہی تھی۔ وہ غزلیں لکھ کر نیچے بڑا بڑا لکھتی۔ شارب آئی لو یو۔

اس کے ماں باپ بہت پریشان تھے۔ وہ کسی کی بات سننے کو تیار ہی نہ تھی۔ ثریا نے غصے سے کہا۔ سین دو سال کا وقت گزر چکا ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں، میرا خیال ہے وہ لڑکا سمجھدار ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم جب اسے ملو گی تو تمہاری ساری محبت ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے تمہارا سامنا نہیں کر رہا۔ سین نے اداسی سے کہا۔ ماما اب مجھے سمجھ میں آ رہا ہے ٹھکرائے جانے کا غم کیا ہوتا ہے۔ اب میں شارب کی حالت سمجھ رہی ہوں۔ کاش کہ میں اس کے جذبات کا احساس کر لیتی۔ اس سے سوچنے کا وقت لے لیتی۔ ثریا غصے سے کمرے سے چلی گئی۔ وہ خود سے بڑبڑھا رہی تھی۔ یہ لڑکی تو مکمل پاگل ہو گئی ہے۔ شارب شارب دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ سین کے کانوں میں ان کی آواز پڑھ چکی تھی۔ وہ مسکرائی۔

اس نے اپنی ڈائری اٹھائی، پنسل لی اور لکھنے لگی۔

اس دنیا میں لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

نظر ہے کہ اپنی کسی اور پر تھی نہیں ہے۔

کیسے کہیں کیا حال ہے اور کس قدر ہے۔

نہیں پل ایسا آنکھوں میں جب نمی نہیں ہے۔

وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔ ثریا دوبارہ کمرے میں آئی، ان کا غصہ کچھ کم ہو چکا تھا۔ ان نے سین کے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تمہارے ساتھ کی ساری لڑکیوں کی شادیاں ہو گئیں۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ بھول جاؤ شارب کو بیٹا، بھول جاؤ۔

سین نے ان کی طرف دیکھے بغیر ڈائری کے دوسرے ورق پر لکھنا شروع کیا۔

حیران ہوں میں اے زندگی

محبت اک سلسلہ تشنگی

میں نہیں جانتی زندگی کے رنگ

یہ سلسلہ جستجو، بندگی کے رنگ

اک جنون ہے جو، میری جان کو ہے کھا رہا

میرا وجود مجھے ہر پل یہ ہے بتا رہا

ہجر بہت سخت ہے مثل بندگی
 محبت ہے کیا میری سلسلہ تشنگی
 نہ سوتی ہوئی سکون سے نہ جاگتی ہوں میں
 کچھ خبر نہیں کون سی سمت بھاگتی ہوں میں

ثریا اس کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی، جبکہ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن تھی۔ کام کرنے والی نے کہانی بی جی میں جا رہی ہوں تو ثریا باہر آگئی۔ ان کے چہرے کی ادا سی دیکھ کر کام کرنے والی نے کہا۔ باجی مجھے تو لگتا ہے، سین باجی پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ کسی ہنستی بولتی تھی اور اب پتہ نہیں کہاں گم رہتی ہے۔ غزالہ نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا۔

نازیہ کی شادی کے بعد وہ دبئی جا چکی تھی۔ اسے بہت محبت کرنے والا شوہر ملا تھا۔ غزالہ نے ایک میل نرس کو ملازمت پر رکھ لیا تھا۔ جو صرف دو دن کی چھٹی کرتا تھا۔ باقی کے تمام دن، چوبیس گھنٹے شارب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ شارب نے اپنے ہاتھ میں ہلکی سی جنبش محسوس کی تو اس کی خوش کاٹھکانا نہیں رہا۔ وہ اپنے ہاتھ کو ہلانے کی کوشش کرتا رہتا اور کئی کئی گھنٹے اسے دیکھتا رہتا۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی انمول نعمتوں سے متعلق کبھی سوچتے ہی نہیں۔ جب وہ ٹھیک تھا تو اس نے کبھی اپنے ہاتھ کو اس طرح غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اسے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ خود اپنا آپ سنبھال لیتا کس قدر بڑی نعمت ہے۔

انسان کس قدر بے وقوف اور جلد باز ہے۔ اللہ نے سچ کہا ہے کہ انسان ناشکرہ ہے۔ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔۔۔ میں نے موت چاہی مجھے آدمی موت دے دی گئی۔ کاش میں زندگی چاہتا۔ زندگی کی خوشیاں چاہتا۔ وہ سب کچھ چاہتا جو۔۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ اس نے سوچنا چھوڑ دیا۔ اسے اپنی پڑھی ہوئی کتاب کی ایک اچھی بات یاد آئی۔

وہ کتاب کے الفاظ کو دہرانے لگا۔ آپ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے تو پھر سوچنے کا فائدہ اور اگر کچھ کر سکتے ہیں تو پھر سوچنے کا فائدہ۔ یعنی اگر آپ کسی مسئلہ سے متعلق کچھ نہیں کر سکتے تو اسے چھوڑ دیں۔ اور اگر کسی مسئلہ سے متعلق کچھ کر سکتے ہیں تو سوچنے کی بجائے عمل کو ترجیح دیں۔

عارف کو اپنے کمرے میں دیکھ کر شارب کو بہت حیرت ہوئی۔ عارف تم اس نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ عارف شارب کے پاس آیا۔ وہ بہت آرام سے ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ بھائی کبھی کبھی دوسروں کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک خود کو ٹھوکر نہ لگے، میں آپ سے اپنے رویے کے بارے میں شرمندہ ہوں۔ شارب نے اپنی ویل چیر اس کے پاس لاتے ہوئے، کہا۔ عارف کیا ہوا۔ کوئی پریشانی ہے کیا۔

عارف تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑا رہا پھر اس کی آنکھوں سے آنسو گر گئے۔ شارب امی----- شارب نے عارف کی طرف دیکھ کر ذور سے بولتے ہوئے پوچھا۔ کیا مسئلہ ہے۔ کیا امی۔۔۔۔۔ بولتے کیوں نہیں۔ عارف نے روتے ہوئے کہا۔ میں امی کے ساتھ تھا۔ وہ خریداری کر رہی تھیں۔ پھر مجھ سے کہنے لگی۔ عارف تم شارب سے اچھا نہیں کر رہے بیٹا، ایک تو وہ پہلے ہی اپنی غلطی کی سزا پا رہا ہے دوسرا جب اپنے اس طرح کا رویہ رکھتے ہیں تو بہت دکھ ہوتا ہے بیٹا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا۔ پھر بولیں۔ زبان اور رویے روح کو زخم کر دیتے ہیں۔ روح کے زخم صرف اپنے ہی دے سکتے ہیں۔ میں حیران تھا وہ مجھ سے اس قسم کی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔ پھر واپس آتے ہوئے رکشہ میں وہ پیچھے کی طرف گر گئیں۔ ہماری ماں اب نہیں رہی۔ بھائی۔ ماما۔

شارب نے عارف کی طرف دیکھا اور چیخ کر کہا۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ویل چیر سے اُٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ اما۔ اما۔

عارف نے باہر آکر اسے گلے سے لگالیا۔ بھائی۔ شارب کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ اسے خدا کے بعد جس ذات نے بغیر جمع تفریق کے قبول کیا تھا۔ وہ غزالہ ہی تو تھی۔ اس کی موت کی خبر نے اس کے پورے وجود پر ایسے اثر کیا کہ وہ کھڑا تھا۔ غزالہ کا جسم جب ہو سپٹل سے گھرایا گیا تو گھر میں ہر طرف غم کی کیفیت طاری تھی۔ نازیہ کو جب خبر دی گئی تو اس پر بھی یہ خبر غم کا بادل بن کر چھا گئی۔ غزالہ اپنے بچوں کے لیے سائبان کی طرح تھی۔ نازیہ گھر پہنچی تو اپنی ماں کے شفیق چہرے کو دیکھ کر اس کا جی چاہ کہ کاش وہ اُٹھ کر کھڑی ہو جائیں اور وہ ان سے لپٹ جائے۔ موت کیسے زندگی کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سچ موت ہے جو زندگی کے جھوٹ کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے چہرے کو دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی۔ اس کی گود میں چار ماہ کی عمارہ نے بھوک سے رونا شروع کر دیا تو وہ اسے دودھ دینے کے لیے کمرے میں چلی گئی۔ اس کی ماں نے اس کے کمرے کو اس کے جانے کے بعد بھی کیسا صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ وہ غزالہ کی شفقت کو سوچ سوچ کر رونے لگی۔ کاش ماما، شارب کو اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ پائیں۔

غزالہ کی موت کے کچھ دن بعد ہی نازیہ واپس لوٹ گئی۔ شارب، عارف اور حسن کے لیے گھر کے کاموں کو کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ گھر میں عورت کا نہ ہونا کس قدر عذاب کا باعث ہے اس کا احساس سب سے زیادہ حسن کو ہو رہا تھا۔ وہ اپنا ہر کام غزالہ سے کروانے کا عادی تھا۔ اب غیر ارادی طور پر جب وہ غزالہ کو آواز دیتا تو اپنی آواز کی بازگشت اسے بُری محسوس ہوتی۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا۔ عورت بھی کسی بے ضرری مخلوق ہے۔ اپنا آپ دوسروں پر لٹا کر چلتی بنتی ہے۔ اسے اپنے بہت سے رویے جو نامناسب تھے یاد آتے اور وہ اپنی عینک کے شیشے صاف کرنے لگتا۔ انسان کا اپنے ماضی پر کوئی اختیار نہیں۔ جو ہو چکا اس پر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ غزالہ کو اجر دے وہ دل ہی دل میں سوچ کر اپنے احساس جرم کو کم کرنے کی کوشش کرتا۔

سین تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، ثریا نے پریشانی سے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ صرف شعر لکھنے سے اور وقت گزارنے سے زندگی نہیں گزرتی۔ سین میری بیٹی، مجھے سمجھو نا۔ اپنی زندگی کو برباد نہ کرو۔ سین نے الجھتے ہوئے کہا۔ ماما شادی ہی سب کچھ نہیں ہوتی نا۔ بہت سے لوگ شادی نہیں کرتے زندگی

میں۔ وہ مرتو نہیں جاتے۔ میں بھی جی لوں گی۔ کسی نہ کسی طرح جی ہی لوں گی۔ ثریا نے غصے سے کہا۔ کیا تم شراب سے اس حالت میں شادی کرنا چاہتی ہو۔ سین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کاش وہ مان جاتا۔

پھر وہ ہنسنے لگی۔ کہنے لگی۔

یہ عشق نہیں آساں اتنا سمجھ لیجے۔ اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے۔

ثریا نے غصے سے کہا اگر سچ میں اس سے شادی ہو جائے تو چار دن میں تمہاری یہ محبت کا بھوت اُتر جائے۔ وہ بڑبڑھاتی ہوئیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ سین نے دل ہی دل میں کہا ایسا تو تب ہوتا کہ وہ مجھے مل جاتا۔ مگر۔ ثریا واپس پلٹی اور افسردگی سے بولیں، اگر ایسا ہی تھا تو اس وقت اسے کیوں نہیں اپنا یا جب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ سین نے افسردگی سے کہا۔ اس وقت مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔

ثریا کمرے سے مایوس ہو کر جا چکیں تھیں۔ سین کے فون پر گھنٹی بجی۔ سین نے جب آواز سنی تو وہ شراب تھا۔ اس نے اپنے دل کی دھڑکن کو تیز ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ شراب، تم کہاں تھے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ میں نے تمہیں کس قدر یاد کیا۔ شراب نے سنجیدگی سے کہا۔ ہم کہیں مل سکتے ہیں۔ سین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں کیوں نہیں۔ جہاں تم چاہو۔ شراب نے کچھ دیر کے توقف کے بعد پوچھا تمہاری شادی ہو گئی۔ تم وہیں رہتی ہو جہاں پہلے رہتی تھی۔

سین نے گلہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ تم نے پھر رابطہ ہی نہیں کیا۔ ظاہر ہے وہیں ہوں جہاں تھی۔ میری تو زندگی ہی رُک گئی۔ شراب کی اطمینان سے بھری ہوئی آواز اسے سنائی دی۔ اچھا تو میں تمہیں پک کر لیتا ہوں۔

میں ایک گھنٹے میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا۔ سین کے لیے یہ ایک گھنٹہ ایک صدی کی طرح تھا۔ وہ پہلے پندرہ منٹ میں ہی تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی، شراب ضرور ٹھیک ہو گیا ہو گا۔ اس نے بات ہی مزید نہیں کی۔ سین نے فون کیا لیکن شراب نے میسج کیا کہ وہ انتظار کر اب مل کر رہی بات ہو گی۔

توقیر اور ارم الگ گھر میں رہتے تھے۔ توقیر ایک پیٹرول پمپ ہر کام کرنے لگا تھا۔ ارم بھی جاب کرتی تھی۔ دونوں میں اچھی گزرنے لگی تھی۔ توقیر اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ آج اسے اپنی طبیعت کچھ خراب ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تو وہ کام سے جلدی گھر آگیا۔ راستے میں سے اس نے آئس کریم لے لی۔ آج ارم کام پر نہیں گئی تھی۔ ابھی ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں آئس کریم دیکھ کر ایک انگریز بچے نے لپکنے کی کوشش کی۔ اس کی ماں نے بچے کو منع کیا۔ توقیر کو مسکراتے ہوئے دیکھتی ہوئی اس کے سامنے سے نکل گئی۔ وہ بھی مسکراتے لگا۔ جب تک وہ دوکان سے نکل نہیں گئی، توقیر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ ہنسنے لگا۔ ارے یار یہ ویک اینڈ نہیں۔ اس نے خود سے کہا۔

وہ اکثر ویک اینڈ پر کسی انگریز عورت کے ساتھ وقت گزارتا۔ اس کے ایک انڈین دوست نے جو مسلمان تھا ایک دفعہ اسے منع کیا تو اس نے جواباً اس سے کہا تھا۔ یار میں اپنے پیسے خرچ کرتا ہوں۔ یہ جائز ہے۔ منور نے کہا۔ تم ایسے کیسے کہہ سکتے ہو۔ زناہر حال میں زنا ہے۔ تو وہ ہنسنے لگا۔ اس نے

پورے یقین سے کہا۔ یہ زنا نہیں ہے۔ میں جو لطف حاصل کرتا ہوں اس کی قیمت دیتا ہوں۔ اسلام میں لونڈی جائز ہے۔ پیسے دینے کے بعد وہ کچھ گھسنے کے لیے کے لونڈی ہی تو ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات کہنے کے بعد خود ہی ہنسنے لگا۔ ارے یار مردوں کے لیے چھوٹے موٹے گناہ جائز ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ گناہ ثواب کے چکر میں نہیں پڑتے۔

اس کا گھر آچکا تھا۔ اس نے گاڑی پارک کی۔ اس نے چابی کے متبادل لاک کھولنے والا کارڈ نکالا، دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ بیڈروم کے دروازے کے باہر پہنچا تو اس کے ہاتھ سے آئس کریم کا ڈبہ گر گیا۔ اس نے ارم اس کے دوست کی شرمناک باتیں سنی، جس میں ارم اس سے کہہ رہی تھی۔ آئی لو یو ہنی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ارم نے غصے سے اسے باہر رہنے کا کہا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کرے اس نے لوہے کی راڈ اٹھائی دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں کو مارنے لگا۔ اس انگریز نے خود کو بچانے کے لیے توقیر کے ہاتھ سے راڈ کو کھینچ لیا۔ اسے مارنے لگا۔ ارم نے پولیس کو فون کر دیا۔ اپنے دوست کو وہاں سے جانے کے لیے کہا۔ پولیس نے توقیر کی کوئی بات نہ سنی۔ انہوں نے ارم کے جسم پر مار کٹائی کے نشان دیکھتے ہی توقیر کو مجرم قرار دے دیا۔ توقیر جاتے ہوئے بے چارگی سے ارم کو مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ افسردگی سے کہہ رہا تھا۔ تم نے میری محبت کا یہ صلہ دیا۔

نازیہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی۔ وہ سورت نور کی آیت کو پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ پڑھنے لگی۔

گندی عورتیں گندے لوگوں کے لائق ہوتی ہیں۔ اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں۔ اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

اس نے طیب کو آتے ہوئے دیکھا۔ طیب نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔ ہماری شیزادی سو گئی ہے کیا۔ نازیہ نے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جی ابھی سوئی ہے۔ طیب نے زمیں پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ پھر قرآن مجید کی آیت پر نظر پڑی تو اس نے کہا۔ بے شک سچ ہے۔ پاکیزہ مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں اور پاکیزہ عورتوں کے لیے پاکیزہ مرد ہوتے ہیں۔ اس نے نازیہ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنے ہاتھ پر رکھا۔ نازیہ نے طیب کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر قرآن مجید کو چوم کر اس کے اوپر کور چڑھانے لگی۔ نازیہ نے طیب کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔ اے اللہ میرے گناہ کو معاف کرنا۔ اور مجھے پاکیزگی عطا کرنا۔۔۔

ارم پولیس اسٹیشن میں کھڑی تھی۔ اس نے توقیر سے تنہا ملنے کی درخواست کی تھی۔ اس نے توقیر سے نرمی سے کہا۔ دیکھو توقیر زیادہ ایمو شل ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑا بہت چلتا ہے لائف میں۔ اگر تم میری دوستیاں برداشت کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ تم واپس پاکستان چلے جاؤ۔ توقیر نے بے چارگی سے ارم کی طرف دیکھا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ کچھ سال بے غیرت بن کر رہنے میں کیا بُرا ہے۔ گرین کارڈ مل جانے پر ارم کو چھوڑ دوں گا۔ اس نے ارم سے اپنے کیسے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ارم نے اسے وہاں سے نکال لیا اور گھر لے آئی۔

تو قیر گھر آتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ کبھی کبھی زندگی میں سمجھوتے تو کرنے ہی پڑتے ہیں۔ انکھوں دیکھی کبھی بھی لوگ نگل جاتے ہیں۔ اس نے نفرت سے ارم کی طرف دیکھا۔ ارم نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

شارب نے سین کو اس کے گھر سے پک کیا۔ وہ سارے راستے خاموش تھے۔ سین اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں عجیب سرشاری کی کیفیت تھی۔ وہ دل ہی دل میں جگر مراد آبادی۔ غزل گنگنا رہی تھی۔

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں۔

کتنا حسین گناہ کیے جا رہا ہوں میں۔

مجھ کو لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند۔

خود حسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز۔

کانٹوں سے بھی نبھائیے جا رہا ہوں میں۔

یوں زندگی گزار رہا ہوں تیرے بغیر۔

جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں۔

وہ اپنے پاپا کی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ ایک ریٹائرمنٹ کے پاس کے۔ اس نے سین سے کہا۔ تم اندر جاؤ میں گاڑی پارک کر کے آتا ہوں۔ وہ بلیک سوٹ میں اور بھی زیادہ سارٹ لگ رہا تھا۔ سین نے اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ سنجیدگی دیکھی۔ وہ پہلے کی طرح ہر بات پر مسکرانے والا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید زندگی کی تنگی وجود میں تحلیل ہو کر شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔

وہ آٹھ سائے بیٹھے تھے۔ سین نے شارب کی طرف دیکھا۔ پھر دھیرے سے کہا مجھے یقین نہیں آ رہا کہ۔۔۔۔۔ شارب نے اس کی طرف دیکھا اور پھر سنجیدگی سے کہ۔ مجھے پر سوں عنایہ مال میں ملی۔ میں بھی شاپنگ کرنے گیا تھا۔ اس نے تمہارے بارے میں بتایا کہ تم ابھی تک میرے انتظار میں کسی سے شادی نہیں کر رہی۔ میں نے سوچا تم سے مل کر کچھ باتیں کر لی جائیں۔

سین مسکرائی۔ تم میری خاطر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتے ہو تو میں بھی۔۔۔۔۔ شارب نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں کیا۔ انسان کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ وہ سب کچھ اپنے لیے کرتا ہے۔ خود کو سکون دینے کے لیے۔ اس کا ہر عمل اپنے لیے ہی ہوتا ہے۔ بس وہ دوسروں کے نام کر دیتا ہے۔ میں نے ایمو شنل ہو کر جو قدم اٹھایا تھا۔ وہ اپنے جذبات کو سکون دینے کے لیے اٹھایا تھا۔ سین نے اس کی طرف مایوسی سے دیکھا۔ تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ محبت کچھ نہیں ہوتی۔

شارب کے چہرے پر سنجیدگی بدستور قائم تھی۔ اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد دھیرے سے کہا۔ محبت ایک خوبصورت تجربہ ہے۔ لوگ اسے اپنے اپنے وجود کے حساب سے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بارش ہر جگہ ہوتی ہے۔ مگر بارش کے قطرے کہیں تو شبنم بنتے ہیں تو کہیں گندگی کی وجہ۔ کہیں تو بنجر زمین ہریالی پاتی ہے اور کہیں غریب انسان افسردہ ہوتا ہے کہ اپنے کمرے کی چھت کو رونے سے کیسے روکے۔ کوئی دوا انسان محبت کو ایک سا محسوس نہیں کر سکتے۔ جو میں محبت کو سمجھتا اور محسوس کرتا ہوں، تمہیں سمجھنا ممکن نہیں کیونکہ جب محبت تم کو گی تو تمہیں یہ ویسی محسوس ہوگی، جیسا کہ تمہارا وجود ہے۔ پتہ نہیں تم وہ بات سمجھی ہو جو میں کہنا چاہ رہا تھا۔ یا نہیں۔ محبت میرے نزدیک بارش کے ان قطروں کی طرح ہی ہے۔ جو ہر وجود کے لیے مختلف ہے۔ کہیں خوبصورت، کہیں بد صورت، کہیں سراب کرتی ہے تو کہیں تشنگی کا باعث بنتی ہے۔

سبین نے مسکراتے کی کوشش کی اور کہنے لگی چھوڑو۔ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ آگے چلتے ہیں۔ شارب نے ہاں میں سر ہلایا۔ میں اسی لیے تو تم سے ملنے آیا ہوں۔ سبین تمہیں یاد ہے تم نے مجھے شادی کے لیے پرپوز کیا تھا۔ شارب نے اس کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ آج مجھے تم قبول ہو۔ شارب نے سبین کی طرف دیکھا اور پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سپارٹ لہجے میں بولا۔

وہ وقت تو گزر گیا۔ میں تو یہاں تمہیں یہ کہنے آیا تھا۔ محبت پالینے کا نام نہیں۔ محبت کا مقصد شادی نہیں ہوتا۔ میں کل دُئی جا رہا ہوں۔ میری بہن نے وہاں میرے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔ دو ماہ پہلے اس لڑکی سے مگنی کر چکا ہوں۔ جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا، میں نے زندگی کی حقیقت اور موت کی سچائی کو جان لیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارا شکریہ ادا کروں، اگر تمہاں کہہ دیتی تو میں زندگی کے ان تلخ تجربات سے محروم رہ جاتا جن کی وجہ سے آج میں اپنی زندگی کی خوبصورتی کو ہر پل محسوس کرتا ہوں۔ ٹھیک ہونے کے بعد میری ترجیحات بدل چکی ہیں۔

سبین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شارب تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں مرجاؤں گی۔ میں نے ایک ایک پل تمہارا انتظار کیا ہے۔ تم ایک ایسی لڑکی کے لیے مجھے چھوڑ رہے ہو جسے تم جانتے بھی نہیں۔ تم اگر مجھ سے پیار نہیں بھی کرتے تو کوئی بات نہیں۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں اور بہت پیار کرتی ہوں۔ ہمارے اچھے مستقبل کے لیے میرا پیار ہی کافی ہے۔

شارب نے سبین کی طرف بیزاری سے دیکھا۔ سبین اس میں شک نہیں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ لیکن اب اگر میں تمہیں اپنی شریک حیات بناؤں گا تو تمہیں دیکھ کر مجھے میری مفلوج حالت ہی یاد آتی رہے گی۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ تم بھی آگے بڑھو۔

سبین نے غصے اور تلخی سے کہا۔ میرے لیے اب یہ ممکن نہیں۔ شارب کے چہرے پر تمسخر خیز مسکراہٹ آگئی۔ اس نے کہ سبین اپنا آپ زیادہ اہم ہوتا ہے محبت سے۔ تم اس بات کا تجربہ ابھی کر کے دیکھو اپنا منہ بند رکھو اور ناک کو اپنے ہاتھ سے بند کر لو۔ تم میرے بغیر نہیں جی سکتی، یہ سوچو۔ کرو۔ کرونا۔

سبین نے غصے سے کہا۔ یہ کیا مذاق ہے۔ شارب مذاق نہیں۔ ایک تلخ حقیقت ہے۔ کر کے دیکھو تمہیں پتہ چل جائے گا۔ محبت کی حقیقت۔

سبین میں کل جا رہا ہوں۔ ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔ تم آگے برہو۔ اللہ حافظ۔

شارب نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ تمہیں گھر چھوڑ دوں۔ سین رونے لگی۔ اس نے غصے سے کہا۔ اگر چھوڑ دیا تو پھر یہیں چھوڑ دو۔ شارب نے ٹیبل پر رکھی، گاڑی کی چابی اٹھائی اور ریستوران سے باہر نکل گیا۔

سبین اس کے جانے کے بعد کافی دیر روتی رہی۔ پھر اس نے اپنا منہ بند کیا اور اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے ناک کو اس طرح پکڑ لیا کہ سانس نہ لی جاسکے۔ تھوڑی دیر سانس رکنے کے بعد اس کا منہ خود بخود اس کے روکنے کے باوجود کھل گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انسان کو محبت سے زیادہ زندہ رہنے کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ سانس لے سکے۔ وہ سوچنے لگی کیا واقعی محبت بارش کے قطروں کی طرح ہے۔ ہر وجود میں سمانے کے بعد اس وجود کے حساب سے ہی اثر کرتی ہے۔

وہ روتے ہوئے وہاں سے اُٹھی اور دل ہی دل میں کہا میرے لیے تو محبت اک سلسلہ تشنگی ہی ہے۔ اس نے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔